بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیاد گار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبد العزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور

زیرِ سرپرستی:
عزیز ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبد الحفیظ صاحب قبلہ
سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

رجب المرجب ۱۴۳۶ھ | مئی ۲۰۱۵ء | جلد نمبر ۳۹ شمارہ ۵

مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ: مبارک حسین مصباحی
نائب مدیر: محمد طفیل احمد مصباحی
منیجر: محمد محبوب عزیزی
تزئین کار: مہتاب پیامی

مجلسِ مشاورت

مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی
مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی
مولانا محمد ادریس بستوی مصباحی
مولانا عبد المبین نعمانی مصباحی

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ
دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور
اعظم گڑھ یو۔ پی۔ ۲۷۶۴۰۴

THE ASHRAFIA MONTHLY
Mubarakpur. Azamgarh
(U.P.) India. 276404

قیمت عام شمارہ: 20 روپے
سالانہ: 200 روپے

چیک اور ڈرافٹ
بنام
مدرسہ اشرفیہ
بنوائیں

کوڈ نمبر ——— 05462
دفتر ماہنامہ اشرفیہ ——— 250149
الجامعۃ الاشرفیہ ——— 250092
دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122

سری لنکا، بنگلادیش، پاکستان، سالانہ
500 روپے
دیگر بیرونی ممالک
20 $ امریکی ڈالر   15 £ پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org   E.mail: ashrafiamonthly@gmail.com

مولانا محمد ادریس مصباحی نے نشاط آفسیٹ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

مشمولات

اداریہ	ہندوستانی مسلمانوں کے خلاف زہرآلود سیلاب	مبارک حسین مصباحی	۳

تحقیقات

جغرافیائی تحقیق	لفظ فاران کی حقیقت	ڈاکٹر غلام زرقانی	۶

فقہیات

آپ کے مسائل	کیا فرماتے ہیں....؟	مفتی محمد نظام الدین رضوی	۱۰

نظریات

فکر امروز	مدارس، انتظامیہ اور معلّمین	مولانا محمد عابد چشتی	۱۲

اسلامیات

شعاعیں	واقعۂ معراج میں عقائد اہل سنت کی جلوہ گری (پہلی قسط)	محمد عطاء النبی حسینی مصباحی	۲۰

شخصیات

انوارِ حیات	مرشدِ اعظم ہند احسن العلما مارہروی (دوسری قسط)	مبارک حسین مصباحی	۲۳
خم خانۂ سیادت	بانی جامعہ صدیقیہ، سوجا شریف	مولانا عبدالرحیم اکبری	۲۷

سیاسیات

آئینۂ وطن	نفقہ سے متعلق سپریم کورٹ کا فیصلہ شریعت کے خلاف	ممتاز عالم مصباحی/ محمد اختر علی واجد القادری	۳۳
آئینۂ ہند	نفقہ کا شرعی حکم اور سپریم کورٹ کے فیصلے (پہلی قسط)	مفتی محمد کمال الدین اشرفی مصباحی	۳۵

بزمِ دانش

فکر و نظر	دہلی اسٹیٹ حکومت...	صفدر امام قادری/ صادق رضا مصباحی	۴۰

ادبیات

نقد و نظر	مناقب الامام الأعظم أبی حنیفۃ	مبصر: خالد ایوب مصباحی شیرانی	۴۵
خیابان حرم	نعت و مناقب	مولانا محمد نذیر الاکرم نعیمی/ شیخ عبدالحمید محمد سالم	۴۷

وفیات

سفرِ آخرت	مولانا قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی/ حضرت مولانا مفتی محمد حفیظ اللہ علیہ الرحمہ	محمد حسن علی رضوی میلسی	۴۸

مکتوبات

صدائے بازگشت	محمد حسن علی رضوی/ افتخار احمد عطاری/ مولانا احمد رضا ازہری/ محمد یونس رضا قادری		۵۲

سرگرمیاں

خیر و خبر	دہلی میں حافظِ ملت کانفرنس/ عرس ملک العلما/ جلسہ سنگ بنیاد دار العلوم حافظ ملت/ مالیگاؤں میں سنی دعوتِ اسلامی کا دو روزہ اجتماع		۵۵

اداریہ

ہندوستانی مسلمانوں کے خلاف زہر آلود سیلاب

مبارک حسین مصباحی

ہندوستان کی آزادی اور تقسیم در تقسیم کو ایک طویل عرصہ گزر رہا ہے مگر مسلمانوں کو ان کی جد و جہد اور جنگ آزادی کا وہ فائدہ نہیں مل سکا جس کے وہ مستحق تھے۔ پہلے مرحلے میں ہندوستان سے پاکستان بنا اور اس کے بعد پاکستان سے کٹ کر بنگلہ دیش بنا، جب کہ جو مسلمان ہندوستان کے طول و عرض میں رہ گئے ان کی تعداد اور طاقت بھی بہت اہم تھی، ہندوستانی مسلمانوں کو مختلف جہات سے کثیر نقصانات پہنچائے گئے اور یہ سلسلہ دن بہ دن بڑھ رہا ہے۔ ہندو مسلم فسادات کے قیامت خیز سفر کی داستان بہت کڑوی ہے ہم سرِ دست اس سے گریز کرتے ہیں، اس وقت ہمارے سامنے چند اہم مسائل ہیں جو بالکل تازہ ہیں۔

ملک کے مختلف گوشوں میں مسلم نوجوانوں کو جیلوں میں ڈالا گیا ہے اور سچی بات یہ ہے کہ ان میں اکثر سادہ لوح اور صاف ستھرے نوجوان ہیں۔ مقامِ افسوس یہ ہے کہ ان کا موقع بہ موقع انکاؤنٹر بھی کیا جا رہا ہے۔ ہندوستان میں جب بھی کوئی دہشت گردی کا معاملہ سامنے آتا ہے تو میڈیا کی نظر صرف مسلمانوں کی جانب اٹھتی ہے، جب کہ اب تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ اس کے پیچھے بھی ہندو دہشت گرد ہوتے ہیں۔

مودی حکومت کے بر سر اقتدار آنے کے بعد مسلمانوں اور عیسائیوں کو طرح طرح کی زیادتیوں کا نشانہ بنایا جا رہا ہے، چند روز قبل شیو سینا کے "سامنا" اخبار میں شیو سینا کے ممبر پارلیمنٹ سنجے راوت نے ہندوستان کے بیس کروڑ مسلمانوں سے ان کی رائے دہندگی کے حق کو چھیننے کی وکالت کی ہے ان کا کہنا ہے کہ مسلمانوں کو ہندوستان میں ووٹ ڈالنے کا حق ختم کر دینا چاہیے۔ مقامِ افسوس ہے کہ سنجے راوت نے اسی آئین کی خلاف ورزی کی ہے جس کا حلف لے کر وہ پارلیمنٹ کے رکن بنے ہیں۔ اس وقت مرکز میں بی جے پی بر سرِ اقتدار ہے، اسی طرح مہاراشٹر حکومت میں بھی ان کی برابر کی حصے داری ہے۔ اگر واقعی یہ حکومتیں چاہتی ہیں کہ مسلمانوں سے ان کے ووٹ دینے کا حق چھین لیا جائے تو وہ کوئی ایسا قانون پاس کریں، مگر وہ دن موجودہ حکومتِ ہند کے لیے انتہائی خطرناک ہوگا۔ واضح رہے کہ یہ جو کہا جا رہا ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی تعداد ۲۰؍ کروڑ ہے، یہ قدیم سروے ہے، اگر حق و دیانت کے ساتھ سروے کیا جائے تو مسلمانوں کی تعداد میں کروڑوں کا اضافہ ہوگا۔

شیو سینا کے اس مطالبے کے پیچھے بظاہر یہ ناجائز جذبہ کار فرما ہے کہ بھارت کو ہندو راشٹر بنا دیا جائے جو انشاء اللہ کبھی پورا نہیں ہو سکتا، اس مطالبہ کے مضمرات بہت ہی خطرناک ہیں، خدا نخواستہ اگر حکومتِ ہند اس طرح کے متعصبانہ مطالبہ کو پورا کرنے کے لیے پیش رفت کرتی ہے تو عالمی سطح پر ہندوستان اچھوت اور تنہا رہ جائے گا۔ دنیا کے جتنے ملکوں میں مختلف مذاہب کے ماننے والے لوگ موجود ہیں اگر وہاں جمہوریت ہے تو ہر فرد کو ووٹ مانگنے اور ووٹ ڈالنے کا حق حاصل ہے۔ ہمارے پڑوسی ملک نیپال کے بارے میں کون نہیں جانتا کہ آج سے چند سال پہلے تک وہ ہندو راشٹر کی حیثیت سے متعارف تھا، اس کے باوجود وہاں مسلمانوں اور بدھسٹوں کو ووٹ ڈالنے کا حق حاصل تھا۔ وہاں قانون ساز ادارے میں مسلمان ایم پی کی حیثیت سے الیکشن لڑ کر پہنچتے رہے۔ جہاں تک ہندوستان کا معاملہ ہے یہ تو ابھی ہندو راشٹر بنا بھی نہیں اور اگر بن بھی گیا تب بھی مسلمان یا کسی مذہبی اکائی کو ووٹ ڈالنے کے حق سے کیسے محروم کیا جا سکتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس غلط نعرے کے ذریعہ ہندوستانی مسلمانوں کو مشتعل کیا جا رہا ہے تاکہ یہاں ہندو مسلم فسادات کا سلسلہ پھر شروع ہو، اور قریہ قریہ کشت و خون کا بازار گرم ہو اور عام لوگوں کی نظریں حکومتِ ہند کی ناکام پالیسیوں سے دور ہو جائیں، مگر انشاء اللہ اب ہندوستان میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دیا جائے گا۔

ہم مسلمانوں سے پُر زور اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس پورے منظر نامے پر گہری نگاہ رکھیں اور اپنے حقوق کی لڑائی انتہائی سنجیدگی سے لڑیں، صبر

وضبط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور فہم وفراست کے ساتھ اس کے خلاف قانونی جنگ لڑیں۔ اسی کے ساتھ ہم حکومتِ ہند سے کہنا چاہیں گے کہ وزیر اعظم اور مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ اور دیگر اہم شخصیات کو اس قسم کے باطل نعروں کا سخت نوٹس لینا چاہیے ورنہ ہندوستان دنیا بھر میں بدنام ہو جائے گا اور ہر طرف سے اس کے خلاف تھو تھو ہونا شروع ہو جائے گی، اس پس منظر میں آپ ذرا ایک نظر نکسلیوں پر بھی ڈال لیے کہ وہ چند ہزار ہیں مگر حکومت کی ناک میں دَم کیے ہوئے ہیں۔ اور اگر کروڑوں مسلمانوں کو ان کے شہری حقوق سے محروم کیا گیا تو اس ہندوستان کا عالم کتنا قیامت خیز ہوگا؟ یہ کروڑوں حضرات اگر واقعی سنجیدگی سے میدان میں آگئے تو مرکزی اور صوبائی حکومتوں کا عالم کتنا خطرناک ہوگا؟ بات صرف مسلمانوں کی نہیں ہے بلکہ ان کے ساتھ عیسائی، دلت اور قبائلی بھی ہیں جنھیں مسلسل ہراساں اور ناکام بنانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس وقت ۲۵ ر کروڑ سے زائد مسلمان، ۵ ر کروڑ عیسائی، سبھی دلت اور قبائلی متحد ہو گئے تو فرقہ پرست خود اقلیت میں آجائیں گے۔ دہلی کے موجودہ انتخابات میں بی جے پی اپنا حشر دیکھ چکی ہے۔

اس سلسلہ میں آئی پی ایس افسر امیتابھ ٹھاکر نے راج دھانی کے سی جی ایم سنیل کمار کے سامنے ان کے وکیل تریورش ترپاٹھی نے ان کے خلاف مقدمہ درج کرنے کے سلسلہ میں عرضی دی ہے۔ اس عرضی میں آئی پی ایس افسر نے ان کے خلاف دفعہ ۱۵۳ ر اے، ۲۹۵ ر اے۔ ۲۹۸ ر ۵۰۴ (ا) (بی) اور (سی) کے علاوہ ۵۰۵ (۲) کے تحت مقدمہ درج کرنے کا ذکر ہے۔ جب کہ آئی پی ایس افسر کا کہنا ہے کہ اس طرح کی بیان بازی ملک کے اتحاد کے لیے خطرہ ہے اور ملک میں مذہبی استحصال انگیزی پھیلانے کی سازش ہے۔

اس جمہوریت کش بیان کے خلاف ملک بھر میں احتجاجی صورت حال پیدا ہو گئی ہے۔ میڈیا میں ملک بھر کے نام ور افراد اس کی مذمت کر رہے ہیں اور مختلف جہات سے طرح طرح کی باتیں سامنے آرہی ہیں۔

بات صرف اتنی نہیں ہے بلکہ وی ایچ پی کی نائب سادھوی دیوا ٹھاکر نے ہریانہ میں ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کی بڑھتی آبادی کو دیکھتے ہوئے اس طبقہ کے لوگوں کی نس بندی کرانی ہوگی۔ انھوں نے کہا کہ مودی حکومت کو ایمرجنسی نافذ کرکے نس بندی کرانا ہوگی، تاکہ بڑھتی ہوئی آبادی پر قابو پایا جاسکے۔ سادھوی نے مساجد اور کلیساؤں میں مورتی لگانے کی وکالت کی اور گاندھی کے قاتل ناتھو رام گوڈسے کے مجسمے لگانے کی حمایت بھی کی ہے۔

ہندوستانی تاریخ گواہ ہے کہ جبری نس بندی کے سیلاب میں اس وقت کی سب سے طاقت ور لیڈر محترمہ اندرا گاندھی غرقاب ہو گئی تھیں اور ملک بھر میں نفرت وعداوت کی ایسی لہر اٹھی تھی کہ ماں اور ان کے بیٹے دونوں الیکشن میں ناکام ہو گئے تھے۔ لگتا ہے موجودہ اصحاب اقتدار کے خلاف بھی کچھ لوگ میدان میں آگئے ہیں۔ آپ ذرا گہری نظر سے حالات کا جائزہ لیں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ کچھ اس قسم کی غیر آئینی بات کرنے والوں کو حکومت میں حسبِ منشا سیاسی بھیک نہیں ملی ہے، وہ حکومتِ ہند سے مسلمانوں کی نس بندی کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ حکومت ہی کی نس بندی ہو جائے۔

۷ ر اپریل ۲۰۱۵ء کو سپریم کورٹ کے جسٹس دیپک مشرا اور پرفل چندر پنت کی بنچ نے شمسیہ فاروقی اور شاہد خاں معاملے کا فیصلہ سناتے ہوئے کہا کہ مسلم خواتین کو دفعہ ۱۲۵ کے تحت اپنے شوہر سے گذارہ حاصل کرنے کا حق ہے۔ سپریم کورٹ نے شاہد خاں کو اس بات کا پابند بنایا ہے کہ وہ ۴ ر ہزار روپیہ ماہانہ گذارہ بھتہ شمسیہ خان کو ادا کرے۔ اس فیصلے کے مطابق مسلم خاتون طلاق کے بعد اس وقت تک گذارہ بھتہ لے سکتی ہے، جب تک وہ دوسری شادی نہیں کر لیتی۔

عدالتِ عالیہ سپریم کورٹ نے اپنے اس تازہ فیصلے میں ایک مطلقہ عورت کو نکاحِ ثانی تک بطور گزارہ اس کے شوہر کو چار ہزار روپیہ مہینہ گزارہ ادا کرنے کا حکم دے دیا ہے، جب کہ اس عورت نے ایک کورٹ میں دس ہزار روپیہ ماہانہ پانے کا مطالبہ کر رکھا ہے۔ سوال چار ہزار یا دس ہزار کا نہیں سوال اس بات کا ہے کہ مذہب اسلام نے کیا کسی مطلقہ کو اپنے سابق شوہر سے تاحیات گزارہ حاصل کرنے کی اجازت دی ہے۔ بہت واضح اور صاف شرعی حکم ہے کہ کوئی مطلقہ خاتون عدت کی مدت گزر جانے کے بعد کسی طرح کا گزارہ اپنے سابق شوہر سے نہیں لے سکتی ہے، وہ مطلقہ عدت کی مدت گزرنے کے بعد چاہے دوسرے سے شادی کرے یا نہ کرے کسی حال میں اپنے سابق شوہر سے کوئی رقم یا کوئی تحفہ نہیں لے سکتی۔ مذہب اسلام نے اس طرح کے لین

دین کو بے حیائی قرار دیا ہے اور مطلقاً حرام کے زمرے میں شامل کیا ہے، کیوں کہ اب سابق میاں اور بیوی ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہیں اور کوئی اجنبیہ کسی اجنبی سے بطور استحقاق کوئی مطالبہ نہیں کر سکتی۔ اس لیے یہ کہنے میں کوئی تردد نہیں ہے کہ عدالتِ عالیہ کا موجودہ فیصلہ شریعت اسلامیہ کے خلاف ہے۔ ماضی میں اس سلسلے میں جو جنگ پارلیمنٹ تک لڑی گئی اور ہمیں یہ خوش خبری سنائی گئی کہ پارلیمنٹ نے قانون میں ترمیم کر کے ایسا دستور بنا دیا ہے کہ اب کوئی مطلقہ اپنے سابق شوہر سے عدت کی مدت گزرنے کے بعد کوئی مطالبہ نہیں کر سکے گی، لیکن یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ ملک کے سب سے بڑے قانون ساز ادارہ میں اس ترمیم کے بعد یہ موجودہ نان و نفقہ دینے کا عدالتِ عالیہ نے کیسے حکم دے دیا۔ یہ معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا۔

ہندوستانی تاریخ پر آپ نگاہ ڈالیں۔ ۲۳/ اپریل ۱۹۸۵ء میں ملک کی سب سے بڑی عدالت نے محمد احمد خان بنام شاہ بانو مقدمے میں دفعہ ۱۲۵/ سی۔ آر۔ پی۔ سی (C.R.P.C. Act 125)۔ کے تحت زندگی بھر گزارہ بھتہ دینے کا فیصلہ دیا تھا۔

شاہ بانو کی شادی ۱۹۳۲ء میں اندور کے معروف وکیل محمد احمد خان کے ساتھ ہوئی تھی، ۴۴/ سال تک محمد احمد خان اور شاہ بانو کے درمیان ازدواجی زندگی کا یہ خوشگوار رشتہ قائم رہا، ازدواجی زندگی کے اتنے لمبے سفر کے بعد ۶/ نومبر ۱۹۷۸ء میں محمد احمد خان نے شاہ بانو کو تین طلاق مغلظہ دی، طلاق کے محرکات اور اسباب کیا تھے ان کی حقیقت میاں بیوی ہی بہتر جانتے ہیں، شاہ بانو نے طلاق کے بعد اپنی زندگی کے گزر بسر کے لیے محمد احمد خان کے خلاف مقامی عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا، عدالت نے شاہ بانو کے حق میں فیصلہ سنایا اور محمد احمد خان کو ۲۵/ روپے ماہانہ گزارا بھتہ دینے کا حکم دیا، وکیل محمد احمد خان نے اس فیصلے کے خلاف ہائی کورٹ میں دستک دی ہائی کورٹ نے نہ صرف ان کی اپیل خارج کی بلکہ گزارا بھتہ کی رقم بڑھا کر ۲۰۔۱۹۷ روپے کر دی، معاملہ آخر میں سپریم کورٹ پہنچا، سپریم کورٹ کے جسٹس "چندر چوڑا" کی پانچ رکنی بینچ نے محمد احمد خان کی مطلقہ بیوی شاہ بانو کو شریعت اسلامیہ کی مخالفت کرتے ہوئے دفعہ ۱۲۵/ سی۔ آر۔ پی۔ سی۔ (C.R.P.C. Act. 125) کے تحت زندگی بھر گزارہ بھتہ دینے کا فیصلہ دیا۔

اس شرعی فیصلے کے خلاف پورے ملک میں شدید احتجاج ہوا۔ سارے احتجاج کرنے والوں کی ایک ہی آواز تھی کہ مسلم پرسنل لا کے خلاف کوئی فیصلہ ہمیں تسلیم نہیں ہوگا۔

اس کے بعد اس وقت کے وزیر اعظم مسٹر راجیو گاندھی نے پارلیمنٹ میں ایک فیصلہ لیا جو بعض وجوہات کی بنا پر شاید ناقص رہ گیا۔ اس کے بعد متعدّد واقعات سامنے آئے۔ چند مسائل میڈیا میں بھی آئے، مگر افسوس ان کے خلاف کوئی منظم آواز بلند نہیں ہوئی۔ اب پھر تازہ واقعہ رائے بریلی کا آیا ہے جو انتہائی افسوس ناک ہے۔

اصل میں کسی بھی مسلم مطلقہ خاتون کو اپنے شوہر سابق سے طلاق کی عدت کا نان نفقہ کا شرعی حق ہے دوسری شادی نہ ہونے تک یا پھر زندگی بھر کے لیے نان نفقہ اور گزارا بھتہ کے لیے کورٹ کی طرف رجوع کرنا اور اس سے فیصلہ لینا سخت ناجائز و حرام ہے، خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" فان تنا زعتُم فی شی فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الا خر ذلك خیرو احسن تاو یلا " (پ ٥ ع ٤ سورہ نساء آیت ٥٩)

ترجمہ پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اسے اللہ اور رسول کے حضور رجوع کرو اگر اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو یہ بہتر ہے اور اس کا انجام بہت اچھا ہے۔

بات صرف مسلمانوں تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ خاکِ ہند میں بسنے والے پانچ کروڑ عیسائیوں کے خلاف ہندو دہشت گردوں کا ظالمانہ عمل بھی جاری ہے۔ ۱۵/ اپریل ۲۰۱۵ء کو رات کے ڈھائی بجے نامعلوم شر پسندوں نے آگرہ کے سینٹ میری چرچ پر حملہ کر دیا، توڑ پھوڑ کی، چرچ کے احاطہ میں نصب حضرت مریم کے مجسمے کے گلے میں کتے کا پٹہ پہنا دیا، جب کہ مسیح کے مجسمے کا سر توڑ دیا۔ کلیسا کے پادری نے پولیس میں نامعلوم افراد کے خلاف رپورٹ درج کرا دی ہے۔ اور پولیس نے واقعہ کی تفتیش شروع کر دی ہے۔ دوسری طرف ریاستی اقلیتی کمیشن نے آگرہ کے ڈی ایم اور ایس ایس پی سے رپورٹ طلب کی ہے اور اسی کے ساتھ ڈی ایم اور ایس ایس پی کو ہدایت دی ہے کہ کلیسا کی سیکورٹی سخت کر دی جائے، کلیساؤں پر حملے اور ایک راہبہ کی کلکتہ میں عصمت دری جیسے ناپاک کام ملک میں ہو رہے ہیں اور مرکزی حکومت خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے۔ ان حالات کا ذرا سنجیدگی سے جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ ☆☆☆

جغرافیائی تحقیق

لفظ فاران کی حقیقت تاریخی پس منظر میں

ڈاکٹر غلام زرقانی قادری

ویسے تو بات پندرہ سال پرانی ہے، تاہم اب تک حاشیہ ذہن میں تازہ ہے کہ ایک دن ہم لوگ استاذ علی طابونی، کلیۃ الدعوۃ الاسلامیہ، طرابلس، لیبیا، کے خصوصی درس میں سرکار دوعالم ﷺ کی سیرت طیبہ پر عربی زبان میں ایک مختصر مقالہ لے کر حاضر تھے۔ ہمارے ایک ساتھی نے برصغیر پاک وہند میں نہایت ہی مشہور ومعروف لفظ 'فاران' کا استعمال کرتے ہوئے ایک جملہ لکھا کہ " جب سرکار دوعالم ﷺ نے فاران کی چوٹی سے اعلان نبوت فرمایا"۔ استاذ علی طابونی چونک پڑے اور پوچھا کہ یہ فاران کیا ہے؟ ہم نے جواب دیا کہ یہ حجاز کے کسی پہاڑ کا نام ہے۔ استاذ نے فرمایا کہ ہم نے آج یہ نام پہلی بار سنا ہے۔ پھر کیا تھا، فورا ہی امہات لغات کی ورق گردانی کی گئی، لیکن ہمیں کہیں بھی یہ نام نہ ملا۔ ہم بڑے حیرانی سے ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے کہ صغرسنی سے لے کر اب تک بارہا ہم نے نہ صرف علمائے کرام کی زبانوں سے اسے سنا ہے، بلکہ کثرت سے پڑھا بھی ہے اور پھر اسی نام سے منسوب ایک مشہور دینی رسالہ بھی برسوں کراچی سے شائع ہوتا رہا ہے۔ بہر کیف، بات آئی گئی ختم ہوگئی۔ ابھی چند دنوں پہلے زیر بحث موضوع دوبارہ ایک ذاتی مجلس میں نکل آیا، رات جب میں اپنی لائبریری میں واپس آیا، تو یہ جاننے کی دھن سوار تھی کہ یہ لفظ کس طرح برصغیر ہندوپاک کی علمی تہذیب وتمدن میں شامل ہوا۔ اپنی استطاعت بھر کوششوں کا حاصل ،احباب کی دلچسپی کے لیے اختصار کے ساتھ عرض کیے دیتا ہوں۔

پہلا موقف: ایسا محسوس ہوتا ہے کہ لفظ 'فاران' عبرانی زبان سے ماخوذ ہے۔ عبرانی میں یہ "Pa'ran" تلفظ کیا جاتا ہے اور اسی طرح اسے Paran, Pharan or Faran بھی کہا جاتا ہے۔ کتاب مقدس میں مندرجہ ذیل مقامات پر لفظ فاران مذکور ہے۔

" فارتحل بنو اسرائيل في رحلاتهم من برية سيناء فحلت السحابة في برية فاران "
(عدد١٢،١٠)

"وبعد ذلك ارتحل الشعب من حضيرات ونزلوا في برية فاران " (عدد١٦، ١٢)

" فارسلهم موسىٰ من برية فاران حسب قول الرب، كلهم رجال هم رؤساء بني اسرائيل۔" (عدد ٣، ١٣)

"فساروا حتى اتوا الىٰ موسىٰ وهارون وكل جماعة بني اسرائيل الى برية فاران الى قادش " (عدد٢٦، ١٣)

" هذا هو الكلام الذي كلم به موسىٰ جميع اسرائيل في عبر الاردن في البرية في العربة قبالة سوف بين فاران وتوفل ولابان وحضيروت وذي ذهب "(تثنية ١،١)

"ومات صموئيل فاجتمع جميع اسرائيل وندبوه ودفنوه في بيته في الرامة وقام داؤد ونزل الى برية فاران " (٢صموئيل ١، ٢٥)

"وقاموا من مديان واتوا الى فاران واخذوا معهم رجالا من فاران واتوا الىٰ مصر"
(١ملوك ١٨، ١١)

" وسكن في برية فاران واخذت له امه زوجة من ارض مصر" (تكوين ٢١،٢١)

میں نے بغیر کسی اضافی نوٹ کے، وہ عبارتیں جوں کی توں نقل کردی ہیں، جنہیں علمائے یہود اپنے موقف کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ فاران مصر اور فلسطین کے راستے میں آنے والا علاقہ ہے۔

دوسرا موقف: علامہ ابن خلدون عرب علاقوں کی جغرافیائی تقسیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وفي الجزء الخامس من هذا الاقليم

ghulamzerquani@yahoo.com

بلاد الشام۔۔۔وعلیٰ هذه القطعة بعد السويس فاران ثم جبل الطور۔۔۔ ‘‘

(مقدمہ ابن خلدون، ج:۱، ص:۴۴)

علامہ ابن خلدون کی متذکرہ بالا توجیہ کے مطابق نہر سویس کے بعد اور جبل طور سے پہلے کا علاقہ فاران ہے۔

تیسرا موقف: علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں؛

’’ والطور ايضا جبل عند كورة تشتمل على عدة قرى بارض مصر بين مصروجبل فاران ‘‘ (عمدة القاری ،ج:۱۹، ص:۱۹۳)

علامہ بدرالدین عینی کی وضاحت کے مطابق جبل طور، سرزمین مصر میں، ملک مصر اور جبل فاران کے درمیان پڑتا ہے۔ اس طرح جبل فاران کا محل وقوع یا تو مصری سرحد پر اختتام پذیر سمجھا جائے، یا پھر کسی حد تک سعودی سرحدی علاقے، تاہم متذکرہ بالا توجیہ کی روشنی میں جبل فاران سے مکہ مکرمہ کے پہاڑی علاقے سمجھنا کسی قدر بعید محسوس ہوتا ہے۔

چوتھا موقف: شیخ یاقوت حموی لکھتے ہیں؛

’’ وهى من اسماء مكه ، ذكرها فى التوراة ، قيل : هو اسم لجبال مكة ‘‘

(معجم البلدان ، باب الفاء والالف ومايليهما)

شیخ یاوقت حموی کی رائے ہے کہ فاران مکہ مکرمہ کے چند ناموں میں سے ایک ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ان کی رائے میں مکہ کے پہاڑوں کا نام بھی فاران ہے، تاہم وہ اسے کہا جاتا ہے، سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ اسلوب بیان سرگوشی کر رہا ہے کہ وہ خود مطمئن نہیں ہیں۔

پانچواں موقف :

شیخ تقی الدین المقریزی کہتے ہیں؛

’’مدينه فاران ، هى بساحل بحر القلزم ، وهى من مدن العماليق ۔۔۔‘‘

(المواعظ والاعتبار، ج:۱، ص:۳٤۸)

شیخ تقی الدین نے کسی شہر مدینہ کا تذکرہ کیا ہے، جو بحر قلزم کے ساحلی علاقے میں آباد رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک نام سے کئی چیزیں ہوسکتی ہیں، لہٰذا اگر فاران کے نام سے بھی دنیا کے کسی خطے میں کوئی شہر آباد ہو، تو وہ ہمارے زیر بحث موضوع کے دائرے میں نہیں آتا ہے۔ ہم تو اس فاران کی بات کر رہے ہیں، جس کا تذکرہ سیرت کی کتابوں میں دکھائی دیتا ہے، نہ کہ روئے زمین پر پھیلی ہوئے فاران نامی عام اشیائے موجودات کا۔

چھٹا موقف:

اس وسیع میدان کا نام ہے، جو قادس سے کوہ سینا تک پھیلا ہوا ہے۔ (نقشۂ بائبل، مرتبہ: جان اسٹرلنگ، نقشہ نمبر ۲، بی ۳، ۴)

ساتواں موقف :

بیت المقدس کا نام ہے۔

(کتاب الفارق بین المخلوق والخالق: باچہ جی زادہ، ص:۳۸۵)

آٹھواں موقف:

مکہ مکرمہ کے پہاڑوں کا نام ہے۔ (لسان العرب، باب الفاء)

شیخ شرف الدین بوصیری نے بھی اسی پس منظر میں یہ اشعار کہے ہیں؛

طوبىٰ لموسىٰ حين بشر باسمه
ولسامع من فضله ماقيلا
وجبال فاران الرواسكى انها
نالت علي الدنيا به التفضيلا

نواں موقف: شیخ ابوعبیداللہ القضاعی لکھتے ہیں؛

’’ان فاران والطور كورتان من كور مصر القبلية وفاران من قرىٰ صفد سمرقند وينيب اليها ابومنصورالفارانى۔‘‘(تخطيط مصر)

یعنی فاران مصری علاقے میں ہے اور سمرقند کے دیہاتوں میں سے ایک دیہات فاران ہے، جس سے ابومنصور الفارانی منسوب ہیں۔

دسواں موقف: حجاز مقدس ہی کا نام ہے۔

شیخ محمد الشرقاوی کہتے ہی؛

’’ فاران هى بلاد الحجاز التى هاجر اليها ابراهيم وولد فيها النبى ‘‘

(محمد فى بشارات الانبياء، ص:٢٤)

شیخ حلبی کہتے ہیں؛

’’ظهور نبوة محمد ﷺ كان فى فاران وهى مكة وانزل عليه القرآن.‘‘

(السيرة الحلبية، ج:۱، ص:۲۹۸)

تحلیل وتجزیہ :

فاران کی تعیین کے حوالے سے مختلف مواقف کی ایک سرسری

جھلک آپ کے سامنے ہے۔ انہیں اجمالی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے؛ ایک یہ کہ سیرت سرکار دوعالم ﷺ کے پس منظر میں تذکرہ فاران اور دوسرا یہ کہ فاران کے نام سے دوسرے ممکنہ اسمائے موجودات۔ ظاہر ہے کہ ایک نام سے کئی چیزیں ہوں، تو یہ عقلی طور پر کوئی مقام تعجب وحیرت نہیں ہے۔ اس لیے دوسری قسم میرے موضوع بحث سے خارج ہے، لہذا وہ تمام مواقف جو دوسری قسم سے متعلق ہیں، ان پر کوئی تبصرہ نہ کرتے ہوئے، ہم آگے بڑھتے ہیں۔ یہ بات ادنیٰ تامل سے واضح ہوجاتی ہے کہ پہلی قسم کی بنیاد حقیقت میں اہل کتاب کی دینی کتابوں میں موجود تذکرہ 'فاران' ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے اسلام کتب سابقہ میں سرکار دوعالم ﷺ کی تشریف آوری کی پیشین گوئی کی حیثیت سے اسے سیرت کی کتابوں میں نقل کرتے ہیں۔ اس حوالے سے علمائے کرام مندرجہ ذیل دو اقتباسات پیش کرتے ہیں؛

پہلا اقتباس:

''جاء الرب من سيناء واشرق لهم من ساعير وتلالأ من جبال فاران وان من ربوات القدس عن يمينه نار شر يعة لهم۔ احب الشعب '' (سفر التثنيه ،باب: ۳۳، اقتباس: ۲،۳)

'' رب سینا سے آیا، ساعیر سے ان پر آشکار ہوا، اور کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا اور دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا، اس کے داہنے ہاتھ میں آتشیں شریعت تھی۔''

شیخ رحمت اللہ کیرانوی اس کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ خداوند کے سینا سے آنے کا مطلب، خدائے بزرگ وبرتر کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا کرنا، اور کوہ شعیر سے طلوع ہونے کا مفہوم ہے، خدا کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل عطا کرنا اور کوہ فاران سے جلوہ گر ہونے سے مراد ہے، سرکار دوعالم ﷺ کو قرآن مقدس عطا کرنا۔ (دیکھیے، اظہار الحق، جلد:۳، ص:۲۵۱)

دوسرا اقتباس:

''جاء الله من سيناء، واشرق من ساعير، واستعلن فى فاران '' (تورات)

'' اللہ سینا سے آیا، ساعیر سے آشکار ہوا اور فاران پر بلند ہوا''

شیخ رشید رضا اپنی کتاب میں اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آخری وصیت ہے، وہ اپنے متبعین کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی آمد کی بشارت دے رہے ہیں۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ اللہ رب العزت کوہ طور سے آیا اور اس نے میرے ذریعہ تمہیں تورات کی اطاعت کا حکم دیا، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وسیلے سے ساعیر سے طلوع ہوا، جو کہ کوہ فلسطین ہے۔ اب کوہ فاران سے طلوع ہونے کا مفہوم سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ حضرت محمد ﷺ کی طرف اشارہ ہے۔ (دیکھیے، سیدنا محمد، رشید رضا)

مجھے یہ تسلیم ہے کہ متذکرہ بالا دونوں اقتباسات سے لفظ 'فاران' کی تعیین صراحت کے ساتھ نہیں ہوتی ہے، بلکہ اشارات وکنایات ہماری رہنمائی کرتے ہیں، تاہم یہ امر پیش نظر رہے کہ سیاق وسباق، اسلوب بیان اور اقتضائے عبارات کے سائے میں فاران سے کوہ مکہ، یا حجاز مقدس مراد نہ لیا جائے، تو مذکورہ عبارات کے مفاہیم متناقض ہوجاتے ہیں۔ مندرجہ بالا اقتباسات سے یہ سمجھنے میں دشواری نہیں ہوتی ہے کہ یہاں مقصود گفتگو تین مختلف جہتوں سے کوئی پیغام دینا ہے۔

الف: طور سینا سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت بہت واضح ہے۔

ب: اسی طرح کوہ ساعیر فلسطین میں ہے، لہذا اس سے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ نہایت ہی بین ہے۔

ج: تیسرے حصہ میں جس کے حوالے سے بات کی جارہی ہے، اس کی چار صفات شمار کرائی جارہی ہیں؛

ا۔ کوہ فاران سے طلوع ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ جب پہلے دو حصے سے دو الگ الگ پیغمبر مراد لیے گئے ہیں، تو تقاضائے عبارت یہ ہے کہ تیسرے سے بھی کوئی اور پیغمبر مراد لیے جائیں، جن کی نسبت کوہ فاران کی جانب ہے۔ اور وہ بلا شبہ سرکار دوعالم ﷺ کی ذات گرامی ہے۔

۲۔ ہزاروں قدسی صفات جاں نثاروں کی جھرمٹ میں تشریف لائیں گے۔ '' ہزاروں قدسیوں '' کا اضافہ یہ اشارہ کررہا ہے کہ وہ ایسی شخصیت ہوں گے کہ جس کے ارد گرد ہزاروں جاں نثار موجود رہیں گے۔ کوئی شک نہیں کہ اس سے صحابہ کرام کی جانب اشارہ ہے۔

۳۔ نیز '' آتشیں شریعت '' سے مراد کوئی ایسی کتاب ہے، جو کفر وضلالت کی تاریکیوں سے ایمان وہدایت کے اجالے سے روشناس کرانے والی ہو۔ کوئی شک نہیں کہ اس سے مراد بجا طور پر قرآن مقدس ہی ہے۔ اور مزے کی بات یہ ہے کہ قرآن مقدس کے دسیوں ناموں میں سے ایک نام '' نور'' بھی ہے۔

'' فَآمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِيٓ أَنْزَلْنَا وَاللّٰهُ

بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيْرٌ "(قرآن، سورۂ تغابن، آیت:۸)

" لہٰذا اللہ، اس کے رسول اور اس نور پر ایمان لاؤ، جو ہم نے نازل فرمایا ہے، اور خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ تمھارے کاموں سے غافل نہیں ہے۔"

۴۔ چوتھی بات یہ ہے کہ وہ لوگوں سے محبت کریں گے۔ کوئی دورائے نہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ لوگوں سے محبت کرتے تھے۔ رات کی تنہائی میں اپنی امت کی نجات کے لیے سرنیاز بارگاہ الٰہی میں رکھ کر گریہ وزاری کرنا کس سے مخفی ہے۔ اسی طرح، جب حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد آپ طائف تشریف لے گئے اور وہاں کے لوگوں نے نہایت ہی تکلیف دہ سلوک کیا، اس وقت فرشتۂ جبال اللہ رب العزت کے حکم سے دونوں پہاڑوں کو طائف کی آبادی پر الٹنے کے لیے تیار تھے، تاہم سرکار دوعالم ﷺ نے یہ کہہ کر انہیں باز رکھا کہ شاید اللہ رب العزت ان کی نسلوں سے ایسے لوگ پیدا کرے، جو اسلام کی حمایت کریں۔

تیسرا اقتباس:

کتاب پیدائش میں حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے حوالے سے خاصا تفصیلی بیان ہے۔ اس بیان کا یہ حصہ ملاحظہ فرمائیے؛

" فسمع الله صوت الغلام، ونادیٰ ملاك الله هاجر من السماء وقال لها مالك يا هاجر! لا تخافي، لان الله قد سمع لصوت الغلام حيث هو۔ قومي واحملي الغلام و شدي يدك به لاني ساجعله امة عظيمة۔ وفتح الله عينيهما فابصرت بئرماء، فذهبت و ملأت القربة ماء وسقت الغلام۔ وكان الله مع الغلام، فكبر وسكن في البرية وكان ينمو رامیٰ قوس۔ وسكن في برية فاران واخذت له امه زوجة من ارض مصر "

(کتاب تکوین، باب:۲۱، اقتباسات:۲۱۔۱۷)

" اللہ نے بچے کی آواز سنی اور اللہ کے فرشتے نے آسمان سے پکارتے ہوئے کہا کہ اے ھاجرہ! نہ ڈرو، کہ اللہ نے لڑکے کی آواز سن لی ہے۔ اٹھو اور بچے کو اٹھاؤ، اور اپنے ہاتھوں سے اسے تھام لو کہ میں اسے ایک عظیم امت بناؤں گا۔ اللہ نے دونوں کی آنکھیں کھول دیں اور ہاجرہ نے پانی کا کنواں ملاحظہ کرلیا اور دوڑ پڑیں، پھر برتن میں پانی بھر لیا اور بچے کو پلایا۔ اللہ رب العزت بچے کی نگرانی کرتا رہا، جب کہ وہ بڑے ہوئے اور بیابان میں پرورش پاتے رہے، نیز تیر اندازی بھی سیکھتے رہے۔ اور وہ فاران میں قیام پذیر رہے، ان کی والدہ نے سرزمین مصر سے ان کے لیے بیوی لی۔"

دیکھ رہے ہیں آپ! یہ ساری گفتگو حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی حوالے سے ہو رہی ہے۔ مستند اسلامی تاریخ کے اوراق پیش نگاہ رکھے جائیں، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ دونوں کو بیابان میں چھوڑے جانے، شدت پیاس سے بے قرار ہونے، چشمۂ زمزم کی نعمت سے سرفراز ہونے اور پرورش حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں سب کچھ حرف بہ حرف متذکرہ اقتباسات سے پوری طرح ہم آہنگ دکھائی دیتا ہے۔ اب کیا یہ بھی پوچھنے کی بات ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کس بیابان میں پرورش پائی؟ بلاشبہ یہ حجاز مقدس ہے، جسے عہد نامہ قدیم میں 'فاران' سے یاد کیا جارہا ہے۔

حاصل بحث: اگر واقعی غیر جانبداری کے ساتھ بات کی جائے، تو یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ سیرت رسول اکرم ﷺ کے پس منظر میں جب ہم لفظ 'فاران' کہتے ہیں، تو اس سے یا تو حجاز مقدس مراد لے سکتے ہیں، یا پھر حجاز مقدس کے پہاڑ، اور دونوں میرے نزدیک درست ہیں۔ تاہم، خطابی اسلوب بیان میں یہ کہنا کہ " سرکار دوعالم ﷺ نے فاران کی چوٹی سے پیغام اسلامی کا غلغلہ بلند کیا " بہت ممکن ہے کہ عین حقیقت کی بجائے بطور تشبیہ اور استعارہ ہو، جو کسی طرح زبان وادب کے مروجہ طرز تخاطب کے خلاف نہیں ہے۔ بہرکیف، حقیقت حال خواہ کچھ بھی ہو، لیکن اس قدر تو آشکار ہے کہ ہمارے اسلاف نے متذکرہ لفظ مفروضہ خیالات کی بنیاد پر اسلامی تہذیب وتمدن میں شامل نہیں کیے ہیں، بلکہ یہ اپنے مضبوط مستحکم اور پائیدار بنیادوں پر ایستادہ ہے۔

چلتے چلتے یہ بات مجھے حیرت سے کہنی پڑتی ہے کہ عصر حاضر میں علمائے زبان نے نہ جانے کیوں اپنے مرتب کردہ لغات سے اسے غائب کردیا ہے۔ حسن ظن تو یہی ہے کہ ایسا دانستہ نہیں ہوا ہے اور اگر یہی حقیقت ہے، تو پھر اب سے کوشش ہونی چاہیے کہ اردو لغات اور دینی فہرست میں بھی اسے شامل کرلیا جائے، تاکہ ہماری آنے والی نسلیں کسی تذبذب کا شکار نہ ہو پائیں۔ ☆☆

کیا فرماتے ہیں مفتیان دین/سوال آپ بھی کر سکتے ہیں

آپ کے مسائل

مفتیِ اشرفیہ مفتی محمد نظام الدین رضوی کے قلم سے

قرض میں نفع کا شرعی حکم

کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل میں:

زید نے بکر کو ایک لاکھ روپیہ بغرض تجارت یہ کہہ کر دیا کہ آپ کو جو منافع ہوگا اس میں سے آپ اپنی مرضی سے مجھ کو کچھ روپے دیں گے اور بکر تجارت میں کمپیوٹر، موبائل وغیرہ کی خرید و فروخت کرتا ہے، بکر کبھی زید کو ۱۰۰۰/ روپے ۲۰۰/ روپے کبھی ۵۰۰/ روپے دیتا ہے اور زید اس روپے کو بکر سے اس کے اوپر اعتماد کر کے بغیر کسی اعتراض کے لیتا بھی ہے۔ زید یہ معاملہ بکر کے علاوہ کسی غیر قوم سے بھی کرتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح کا کاروبار مسلم یا غیر مسلم سے کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ قرآن و حدیث اور فقہ حنفی کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔ عین نوازش و کرم ہوگا۔

الجواب

یہ کاروبار قرض و سود کا ہے جو قطعاً حرام ہے اور اس سے احتراز واجب ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ زید نے جب بکر کو ایک لاکھ روپیہ قرض کے طور پر دیے تو یہ معاملہ شرکت اور مضاربت کا نہ ہوا، کیوں کہ شرکت یا مضاربت میں نقصان ہو تو وہ نقصان صاحبِ مال کا ہوتا ہے، جتنا نقصان ہوتا ہے صاحبِ مال کو اتنا کم ملتا ہے، مثلاً بیس ہزار روپے کا نقصان ہوا تو صاحبِ مال کو اسّی ہزار روپے ملیں گے، جب کہ وہ روپے شرکت یا مضاربت کے طور پر ہوں، لیکن قرض کی صورت میں صاحبِ مال کو اس کا پورا مال واپس ہوتا ہے۔ ایک پیسہ بھی دوسرا فریق کم نہیں کر سکتا۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ زید اور بکر کا معاملہ باہم مضاربت اور شرکت کا نہیں ہے بلکہ خالص قرض کا ہے اور قرض پر جو بھی نفع لیا جائے کم یا زیادہ وہ سود ہے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

كل قرض جر منفعة فهو ربوٰا.

قرض کی وجہ سے جو نفع حاصل ہو وہ سود ہے۔ (مسند حارث بروایت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

لہٰذا زید و بکر کا یہ معاملہ سود ہونے کی وجہ سے حرام و گناہ ہے۔
واللہ تعالیٰ اعلم.

برطانیہ میں وراثت کا ایک اہم مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل میں:

ہمارے ملک برطانیہ کا قانون یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مرجاتا ہے تو اس کی پوری جائداد اس کی بیوی کو مل جاتی ہے، اس سے بچنے کے لیے اب یہاں لوگوں نے عام طور پر جائداد کو رجسٹرڈ کرانا شروع کر دیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

”میری وفات کے بعد میری جائداد میرے وارثین کے درمیان شریعت اسلامیہ کے مطابق تقسیم کر دی جائے۔“

اِس عمل کو یہاں بِل کہا جاتا ہے، سوال یہ ہے کہ یہ بل تو وصیت ہے اور وصیت وارث کے حق میں جائز و نافذ نہیں، پھر حل کی راہ کیا ہے؟

الجواب

یہ بِل شرعاً نافذ ہے، کیوں کہ شریعت اسلامیہ نے وارثین کے لیے میت کے ترکے میں جو حصے مقرر کیے ہیں اس بل میں وہی حصے سارے وارثین کو دینے کی ہدایت ہے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إن الله أعطىٰ كل ذي حق حقه.“

بے شک اللہ نے ہر حق دار کو اس کا حق عطا فرما دیا۔

(اخرجه أحمد و صححه الترمذي، كذا في الدراية)

تو یہ وصیت فی الواقع اللہ عز و جل کے عطا کیے ہوئے اسی حق کی تنفیذ کی ہدایت و تاکید ہے جو شریعت کے تقاضے کے عین مطابق ہے۔ اس لیے یہ جائز و نافذ اور واجب العمل ہے۔

وارث کے حق میں جو وصیت ناجائز ہوتی ہے وہ اللہ عز و جل کے عطا کردہ حق کے سوا کسی زائد مال کی وصیت ہوتی ہے، پھر وہ بھی اس وقت ناجائز ہوتی ہے جب بعض ورثہ کو دوسرے ورثہ پر ترجیح دی گئی ہو، لیکن یہاں وصیت کسی بھی وارث کے لیے اس کے حق کے سوا کسی زائد مال کی نہیں ہے۔ پھر یہاں بعض کے ساتھ ترجیحی سلوک بھی نہیں ہے، جس سے دوسرے وارثین کو اذیت ہو یا وہ صلہ رحمی کے خلاف ہو، فقہ اسلامی کی اہم و معتمد کتاب ہدایہ کے درج ذیل

اقتباس سے اس توجیہ کی روشنی ملتی ہے۔

ولا تجوز لوارثه، لقوله عليه الصلاة والسلام: إن الله أعطىٰ كلَّ ذي حق حقه، ألا، لا وصية لوارث. ولأنه يتأذّى البعض بإيثار البعض، ففي تجويزه قطعية الرحم ولأنه حيف بالحديث.

(الهداية، ج:٤، ص:٦٥٧، كتاب الوصايا)

یہی وجہ ہے کہ اگر وارث تنہا ایک ہو تو اس کے حق میں پوری وصیت نافذ ہوتی ہے، کیوں کہ وہی کل کا حق دار ہے تو اس کے لیے پورے مال کی وصیت فی الواقع اس کا پورا حق اسے دینے کی ہدایت و تاکید ہے اور یہیں سے یہ امر بھی عیاں ہو گیا کہ وصیت اگر سارے وارثین کے لیے ہو اور ہر ایک کے شرعی حصے کے مطابق ہو تو یہ بھی نافذ ہے کہ یہ بھی ان کا پورا پورا شرعی حق دینے کی تاکید وہدایت ہے، اس مسئلے پر درج ذیل جزئیات سے روشنی پڑتی ہے۔

تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

(ولا لوارث... إلا بإجازة ورَثَته) لقوله عليه الصلاة والسلام: "لا وصية لوارث، إلّا أن يجيزها الورثة" يعني عند وجود وارث آخر، كما يفيده آخِر الحديث (أو لم يكن له وارث سواه) كما في الخانية: حتى لو أوصى لزوجته أو هي له ولم يكن ثمه وارث آخر تصح الوصية، ابن كمال.

زاد في المحبية : فلو أوصت لزوجها بالنصف كان له الكل.

وإنّما قيدوا بالزوجين لأن غيرهما لا يحتاج إلى الوصية ؛ لأنه يرث الكل برد أو رحم، وقد قدّمنا في الإقرار معز يا للشرنبلالية.(تنوير الابصار و درِ مختار، المطبوع مع رد المحتار، ج:١٠، ص:٣٤٦، ٣٤٧)

"میراث سے محرومی" سے بچنے کی ایک صورت یہاں یہ بھی ممکن ہے کہ جائداد کو اپنے اوپر، اپنی بیوی پر اور اپنی اولاد اور نسلاً بعد نسلٍ اولاد کی اولاد پر وقف کر دے۔ تو اس جائداد سے سب کو انتفاع کا حق حاصل رہے گا، اور جب تک کہ نسل باقی ہے وہی اس سے فائدہ اٹھائے گی۔ فتاویٰ عالم گیری میں ہے:

رجلٌ قال: أرضي صدقة موقوفة علىٰ نفسي يجوز هٰذا الوقف على المختار، كذا في خزانة المفتين. ولو قال: أرضي موقوفة عَلَيَّ وعلى فلانٍ: المختارُ أنَّه يصحّ ، كذا في الغياثية. اھ(الفتاوىٰ العالكيرية، ج:٢، ص:٣٧١، الفصل الثانى في الوقف على نفسه و أولاده)

نیز اسی میں ہے:

وإن قال : علىٰ ولدى وولدِ ولدي، وولدِ ولدِ ولدي، ذكر البطن الثالث فإنّه تصرف الغلّة إلى أولاده أبداً ما تناسلوا، ولا تصرف إلى الفقراء ما بقي أحد ، يكون الوقف عليهم وعلى من أسفل منهم ، الأقرب والأبعد فيه سواء، اھ. (المرجع السابق، ص:٣٧٤)

البتہ وقف کے بعد واقف یا موقوف علیہم کو یہ جائداد دوسرے کے ہاتھ بیچنے یا دوسرے کو ہبہ کرنے یا صدقہ کرنے وغیرہ کا اختیار نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قرض کا ایک اہم مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین درج مسئلہ میں:

ہم لوگ تین بھائی ہیں۔ ایک ساتھ رہ کر کاروبار کرتے تھے۔ ہم لوگوں کے ذمہ بہت کچھ قرض بھی ہے اور ہم لوگوں کا بھی دوسروں کے ذمہ بہت کچھ قرض ہے، وہ قرض وصول ہونا فی الحال مشکل ہے۔ ہمارے دونوں بھائی مشترکہ قرض کی ادائگی سے منکر ہیں اور قرضے میرے نام ہیں، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اپنی زمین بیچ کر اپنے قرض خواہوں کا قرض چکا دوں، اپنی طرف سے بھی اور اپنے بھائیوں کی طرف سے بھی۔

اب سمجھنا یہ ہے کہ اگر مستقبل میں ہمارا کوئی مقروض ہمارا قرض ادا کر دے جس میں تینوں بھائیوں کا حق ہے تو کیا وہ سب مال میں اپنے پاس رکھ سکتا ہوں، اس وجہ سے کہ اپنے بھائیوں کے ذمہ کا قرض میں نے ادا کیا ہے۔ یا اسے تین حصوں میں تقسیم کر کے ایک ایک حصہ سب کو دینا پڑے گا؟

الجواب

اگر آپ کے بھائی یہ اجازت دیں کہ آپ ہماری طرف سے بھی قرض ادا کر دیں اور جب کبھی اپنا بقایا وصول ہو تو آپ اس سے ہمارے حصے کا قرض مجرا کر لیں تو آپ کے لیے جائز ہوگا کہ اپنے پاس سے بھائیوں کا قرض ادا کر کے وصول ہونے والے بقایا سے اپنا حق لے لیں۔

اور اگر بھائیوں کی اجازت کے بغیر آپ اپنے طور پر ان کا قرض ادا کریں گے تو یہ آپ کی طرف سے بھائیوں کے ساتھ تبرع واحسان ہوگا اور احسان کا بدلہ نہیں لیا جاتا۔ ارشاد باری ہے۔

وَمَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ.

لہٰذا اس صورت میں آپ پر لازم ہوگا کہ جب کبھی مشترکہ بقایا وصول ہو تو اس میں سب کا حصہ ادا کریں اور اپنے لیے صرف اپنے حصے کی مقدار رکھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فکر امروز

مدارس، انتظامیہ اور معلّمین - کچھ ان کہی

مولانا محمد عابد چشتی ثقافی

مدارسِ اسلامیہ اور دانش گاہیں دین و دانش اور دعوت و تبلیغ کے مراکز ہیں، مگر افسوس عام طور پر مدرسین اور ملازمین کو نظر انداز کیا جاتا ہے

حالات کے دباؤ میں ایک بے لاگ تجزیاتی تحریر

عالمی شہرت یافتہ مفکر فریڈرش انگلس نے کہا تھا

"آدمی کو سب سے پہلے تن ڈھانکنے کے لیے کپڑا اور پیٹ بھرنے کو روٹی چاہیے اس کے بعد ہی وہ فلسفہ اور سیاست کے مسائل پر غور کر سکتا ہے"

یہ ایک فطری اور نفسیاتی بات ہے جو اس مفکر کی زبان سے نکلی کہ انسان اسی وقت پوری یکسوئی کے ساتھ اپنے میدان میں نمایاں کارکردگی کے لیے ذہنی توانائیاں اور فکری جولانیاں بروئے کار لا سکتا ہے جبکہ ایک معتدل سماجی زندگی گزارنے کے لیے جس قدر اسباب و وسائل کی ضرورت ہو سکتی ہے اس کا انتظام اس کے پاس ہو بصورت دیگر انسان قابلیت کا پتلا اور بے شمار فنی صلاحیتوں کا مالک ہو اور اسے خود پر یہ اعتماد بھی ہو کہ وہ اپنی صلاحیتوں کے ذریعہ عام زندگی سے بہت اونچی سطح تک جا سکتا ہے مگر دوسری طرف وہ معاشی تنگی کا شکار ہے اوور متوسط انداز میں اس کے اہل و عیال کے گزر بسر (جس میں گھر مکان، تعلیم و تدریس، شادی بیاہ، علاج و معالجہ اور دیگر چھوٹی بڑی ضروریات شامل ہیں) کا انتظام نہیں ہو پا رہا ہے تو پھر ایسے حضرات اپنی ساری قابلیت اور صلاحیت کو بالائے طاق رکھ کر فکر معاش میں سرگرداں ہو جاتے ہیں نتیجۃً ایک بڑی انقلابی شخصیت سے معاشرہ محروم ہو جاتا ہے اور ہزاروں صلاحیتیں معاش کی دہلیز پر سر پٹک پٹک کر اپنا دم توڑ دیتی ہیں مگر اس حادثہ کی ذمہ دار خود وہ شخصیات نہیں ہیں بلکہ قوم و ملت کے اس خسارے کا ذمہ دار خود وہ معاشرہ اور ذہنیت ہوتی ہے جو ایسے افراد کی قدر و قیمت کو نہ سمجھ کر اور ان کو زمانے کے رحم و کرم پر چھوڑ کر ضائع کر دیتے ہیں شاید یہ جان کر آپ کو حیرت ہوگی کہ ہمارا مذہبی اور دینی میدان افسوس ناک حد تک اسی نقصان کی زد میں آتا جا رہا ہے اور مذہبی میدان سے تعلق رکھنے والی سینکڑوں شخصیات زمانے والوں کی ستم ظریفی اور بے توجہی کی وجہ سے آج "کپڑا اور روٹی" جٹانے میں لگی ہوئی ہیں اور دین و مسلک کا جو کام ان کی صلاحیتوں سے ممکن تھا اب وہ کام معاشیات کی نذر ہوتا جا رہا ہے خاص کر شعبۂ تدریس اس بحران کا زیادہ شکار ہے مندرجہ ذیل سطور میں ہم مذہبی میدان کے اسی اہم شعبے کے حوالے سے کچھ معروضات لیکر حاضر ہوئے ہیں ہم ان سطور میں یہ بتانے کی کوشش کریں گے کہ ایک طرف درس و تدریس کا شعبہ مذہبی دنیا میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے مگر دوسری طرف اپنی دن رات کی تگ و دو اور شب و روز کی انتھک محنت سے درس و تدریس کی انجمن سجانے والے علما یعنی اساتذہ کرام کے ساتھ منتظمین اور انتظامیہ کا رویہ کتنا مایوس کن ہے نیز نئی نسل پر اس کے کیا اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے اور نا قابل انکار ہے کہ آج بشمول ہند و پاک پوری دنیائے اسلام میں دین و مذہب کے تعلق سے جو بھی سرگرمیاں چل رہی ہیں اور دعوت و تبلیغ کے مختلف شعبوں کے ذریعہ جو بھی کام انجام دیا جا رہا ہے ان سب کا کریڈٹ بجا طور پر اسلامی مدرسوں کو جاتا ہے مذہب و ملت کی ساری رونقوں اور بہارورں کا سلسلہ انہیں درسگاہوں اور اسلامی دانشگاہوں سے آکر ملتا ہے میدان خطابت کی شعلہ بیانی، قلم کے ذریعہ فکری دھارے کو موڑنے کا ہنر، علمی جلال کے ساتھ باطل کے سامنے سینہ سپر ہونے کا جذبہ، یا پھر مسند سجادگی پر بیٹھ کر رشد و ہدایت کے انجام دینے کا سلیقہ اور اس کے علاوہ مذہبی میدان کی دیگر جلوہ سامانیاں انہیں مدارس اسلامیہ کی مرہون منت ہیں جہاں سے قوم و ملت کو ہر سطح کے

استاذ جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف ضلع اوریا
abid.chishti@rediffmail.com

رہنما اور قائدین مسلسل فراہم کیے جارہے ہیں۔کیا اسلامی مدارس کو پل بھر کے لیے برطرف کرنے کے بعد مذہب و مسلک کی بقاو تحفظ کا تصور کیا جا سکتا ہے ؟ ظاہر سی بات ہے جواب نفی میں ہوگا گویا اس بات کا احساس اور قوی احساس ہر شخص کو ہے کہ اسلامی مدارس مذہبی، دینی، ملی اور مسلکی ترقی کے لیے سنگ بنیاد اور ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہی ایک اہم وجہ ہے کہ ہمارے اسلاف نے اسلامی مدارس کے قیام میں شب و روز محنت کی اور ہر خطہ اور ہر علاقہ میں مدارس کا جال بچھا دیا اس لیے کہ انہیں بھی بخوبی اس بات کا یقینی علم تھا کہ مدارس کے بغیر فروغ مسلک تو کجا تحفظ مسلک کے بھی لالے پڑجائیں گے اس لیے وہ جہاں گئے مدرسوں کے قیام کی راہ ہموار کرتے گئے اللہ ان کی قبروں کو نور سے بھر دے۔

یہ کام ہمارے اسلاف کا تھا جسے بحمد اللہ انہوں نے پورے خلوص اور جذبہ کے ساتھ مناسب حد تک انجام دیا اب اس کے بعد یہ ہماری ذمہ داری تھی کہ ہم فروغ دین اور تحفظ مسلک کے ان اہم ذرائع یعنی مدارس کو اپنے مقصد تاسیس یعنی تعلیمی لحاظ سے نہ صرف بہتر بلکہ بہتر سے بہتر بنائیں مگر صد افسوس کہ ہم تعلیمی معیار کو بہتر کیا بناتے ہماری دور اندیشی کے فقدان اور بے سرو پیر کی پالسیوں کی وجہ سے مدارس کے حالات اس قدر خراب ہوتے جا رہے کہ اب با صلاحیت علما اور اساتذہ مدارس کا رخ کرنے کے بجائے حتی المقدور امامت و خطابت کو ترجیح دے رہے ہیں نتیجۃً تعلیم کا گراف بڑی تیزی کے ساتھ گر رہا ہے اور اگر حالات ساز گار نہ ہوئے تو تعلیم و تعلم کا یہ گراف مزید نیچے چلا جائے گا سوال یہ ہے کہ آخر ایسا کیوں ہو رہا ہے ؟ ذہن کی سطح پر اٹھنے والے اس سوال کے جواب کے لیے آپ کو ایک طرف مدارس کی منتظمہ کمیٹی یا منتظمین کی لنگڑی پالسی ، بے ڈھنگی سوچ، بے جا مصلحت اور دوسری طرف آج کے انتہائی مہنگے حالات کے تناظر میں ایک انسان کی نجی ضروریات اور مطالبات کا غیر جانب دارانہ تجزیہ و تقابل کرنا پڑے گا اس کے بعد نہ صرف آپ کا ضمیر بلکہ وہ اعضاء بھی گواہی دیں گے جن میں سوچنے کی صلاحیت نہیں ہے کہ فی الحال مدارس میں اساتذہ کے ساتھ جو برتاؤ کیا جا رہا ہے اور جس طرح ان کی ضروریات کو نظر انداز کیا جا رہا ہے وہ اچھا نہیں ہے اور اگر وقت سے پہلے ہوش کے ناخن نہ لیے گئے تو مدارس کا ڈھانچہ تو باقی رہے گا مگر وہ اپنے حقیقی مقصد سے بہت دور ہو چکے ہوں گے ملاحظہ کریں کہ کس طرح انتظامیہ شعوری یا غیر شعوری طور پر مدارس میں بہت بڑے نقصان کی طرف بڑھ رہی ہے۔

اساتذہ کی تنخواہ :۔ جیسا کہ مندرجہ بالا سطور میں ہم نے یہ بتانے کی کوشش کی تھی کہ مذہبی دنیا کی ساری سرگرمیوں کا سرا درسگاہوں سے آکر ملتا ہے اگر یہ درسگاہیں نہ ہوں تو مذہب و مسلک کا خدا ہی حافظ و نگہبان ہے اسی کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ درس گاہ کی مسند پر بیٹھنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے بلکہ درس و تدریس کے میدان سے وہی علما جڑ پاتے ہیں جنہوں نے سینکڑوں راتیں کتابی صلاحیت بنانے میں جاگ کر گزاری ہوں اور دس بارہ سال کی انتھک محنت و مشقت کے ذریعہ یہ استعداد پیدا کی ہو کہ وہ درس گاہ سنبھال سکیں یہی وجہ ہے کہ مدارس میں ہر سال فارغین کی تعداد تو اچھی خاصی ہوتی ہے مگر ان میں درسگاہی صلاحیت رکھنے والے طلبہ کی تعداد نسبتًا کم ہوتی ہے جب تک یہ محنتی طلبہ مدارس کی چہار دیواری میں رہتے ہیں تو خوش رہتے ہیں کہ ان کی درسی صلاحیت نکھر رہی ہے اور مدرسہ میں ان کی عزت بھی ہوتی ہے جبکہ وہ طلبہ جو درسی کتب سے کم واسطہ رکھتے ہیں وہ مدرسہ میں وقعت بھی کم رکھتے ہیں مگر حیرت ہوتی ہے کہ جب یہی طلبہ فارغ ہونے کے بعد ایک عالم کی صورت میں عملی میدان میں قدم رکھتے ہیں تو معاملہ امید کے بالکل برعکس ہو جاتا ہے کہ جو علما درسگاہوں میں بیٹھ کر دینی علوم کو سینہ بسینہ منتقل کرنے کا فریضہ انجام دینے لگتے ہیں وہ تو ہمیشہ پریشان ، مضطرب اور زندگی کے مسائل کو لیکر متفکر نظر آتے ہیں اور جو طلبہ کم صلاحیت کی وجہ سے خطیب یا امام بن جاتے ہیں ان کی زندگی اکثر خوشحالی سے ہم کنار و بغل گیر نظر آتی ہے اس لیے کہ ایک مہینہ تک طلبہ کو پڑھانے اور ان کی تربیت کرنے کا جو معاوضہ انتظامیہ کی طرف سے انہیں دیا جاتا ہے وہ چھ (٦) یا سات (٧) ہزار کے بیچ ہوتا ہے جس میں اتنی سست رفتاری سے اضافہ کیا جاتا ہے کہ بارہ یا پندرہ ہزار تک پہنچتے پہنچتے ملک الموت علیہ السلام کی آمد کے دن قریب ہو جاتے ہیں نیز خارجی آمدنی کے ذرائع بھی یہاں مفقود ہوتے ہیں اس لیے کہ اساتذہ کی ذمہ داری صرف درسگاہ تک محدود نہیں ہوتی ہے بلکہ اس کے علاوہ دسیوں تربیتی اور غیر تربیتی کام ان کے ذمہ کر دئے جاتے ہیں مثلاً:۔

کھانا بٹوانا، نماز کے لیے بچوں کو جگانا، کمروں کی صفائی کروانا، غیر

درسی اوقات میں بچوں کی نگہبانی کرنا، جمعرات کی چھٹی میں بزموں کا انعقاد وسرپرستی کرنا وغیرہ وغیرہ ایسے حالات میں نہ تو وہ باہر کی دنیا سے زیادہ جڑ پاتے ہیں اور نہ ہی جلسہ جلوس اور دیگر تقریبات میں شرکت کر پاتے ہیں اور اگر کوئی مدرس اس طرح کے کام کرتا بھی ہے تو فوراً انتظامیہ کے کان حالت قیام میں آجاتے ہیں اور اشاروں اشاروں میں یہ تنبیہ کردی جاتی ہے کہ

" مدرسین کے جملہ حقوق بحق انتظامیہ محفوظ ہیں بغیر اجازت ان کا استعمال کرنے کی کوشش نہ کریں "

حاصل کلام یہ کہ ان کی دنیا کا دائرہ مدرسہ کی چہار دیواری ہے اور ان کی معاشیات کا انحصار انتظامیہ پر ہے اب ان تلخ حقائق کو چشم عبرت سے پڑھیں۔

موجودہ تنخواہ اور حوائج زندگی:۔ ہم ٦ یا ٧ ہزار روپیہ کی تنخواہ کو نظر میں رکھ کر اس بات کا جائزہ لیں گے کہ کیا آج کی آسمان چھوتی مہنگائی میں چھ یا سات ہزار روپیہ میں معتدل اور متوسط زندگی گزارنا ممکن ہے؟ ہم خود اپنے تجربات کی روشنی میں اتنا دعویٰ ضرور کرسکتے ہیں کہ اتنی تنخواہ میں زندگی کی ضروریات کی تکمیل کسی جہت سے ممکن نہیں ہے بلکہ اتنی رقم تو مہینہ بھر کے کھانے کے لیے بمشکل پوری ہو پاتی ہے جائزہ پیش خدمت ہے۔

سب سے پہلے ہم علی الاقل ٦ افراد کو لیکر اخراجات کا تخمینہ پیش کر رہے ہیں جس میں میاں بیوی، والد والدہ اور دو بچے شامل ہیں یہ ایک مختصر پریوار ہے اگر ہم افراد کی تعداد تھوڑی سی اور بڑھاتے ہیں تو ہوسکتا ہے انتظامیہ یہ کہہ کر اپنا پلہ جھاڑنے کی کوشش کرے کہ اتنے افراد کے اخراجات کا ذمہ ہم نے نہیں لے رکھا ہے اسی لیے صرف اتنے ہی افراد ہم نے شمار کیے ہیں جو لامحالہ ایک فرد کے حصے میں آتے ہیں اب ان چھ افراد کے " ایک دن " کے بہت ہلکے اور دال روٹی والے کھانے کا خرچہ حسب ذیل ہے جسے ہم نے کئی گھریلو افراد پر کئے گئے ذاتی سروے کے بعد تیار کیا ہے۔

اشیاء	روپیہ
تین کلو آٹا	٦٠
ایک کلو سبزی	٤٠
آدھا کلو چاول	٢٥
تین پاؤ دال	٦٠
ناشتہ	٥٠
کل میزان =	٢٣٥

مذکورہ اشیاء کی قیمت سارے واجبی اجزا شامل کرنے کے بعد ٢٥٠ روپیہ یا اس سے زیادہ ہو جاتی ہے اب دیکھیں کہ چھ افراد کا یہ سادہ سا کھانا ڈھائی سو روپیہ تک پہنچ رہا ہے اور اگر ہم اساتذہ کرام کا تھوڑا سا ذائقہ بدلنے کے لیے مہینہ میں دو مرتبہ بھی گوشت یا بریانی وغیرہ شامل کردیں تو معاملہ بجٹ سے باہر نظر آئے گا مگر جب انتظامیہ ہی نہیں چاہتی کہ اساتذہ کے گھروں میں گوشت پکے تو ہم خواہ مخواہ فہرست میں بڑھا کر علمائے کرام کی معاشی فکر میں اضافہ نہیں کرنا چاہتے ہیں۔ یہاں پہنچ کر معافی کے ساتھ ایک جملہ اہل ذوق کی نظر کرنا چاہتا ہوں جو بالکل م موقعہ اور محل کے مطابق ہے کہ جب اساتذہ کی مہینہ بھر کی ساری تنخواہ " چولہے بھاڑ " میں چلی گئی تو زندگی کے دیگر اخراجات کے اسباب کی فراہمی آخر کس دفینے سے کی جائے گی؟ خیر یہ تو ہوا سادہ سا کھانا جس نے مدرسین کی پوری تنخواہ چٹ کرلی اب زندگی کے دیگر اخراجات ملاحظہ کریں اور مدرسین کے بجائے منتظمین کے حق میں دعا کریں کہ اللہ انہیں حقیقت سے آشنا کردے۔

بچوں کے اخراجات:۔ والدین کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے جسے وہ بخوبی محسوس بھی کرتے ہیں کہ وہ اپنے بچوں کے مستقبل کو بہتر بنائیں اور والدین ہونے کی حیثیت سے بچوں کے جو بھی اخلاقی حقوق ان پر عائد ہوتے ہیں یا جو ذمہ داریاں سماج اور ماحول کے اعتبار سے ان کے حصے میں آتی ہیں ان کو پورا کریں جس میں سب سے پہلے تعلیم و تربیت ہے جو بچوں کا لازمی حق ہے اگر آپ دو بچوں کو بہت زیادہ اچھے اسکول میں نہ ڈال کر متوسط درجہ کے اسکول میں بھی ایڈمیشن لیتے ہیں تو کاپی، کتابیں، فیس، ٹیوشن وغیرہ ملاکر بہت زیادہ کم کریں گے تو ماہانہ (١٠٠٠) ایک ہزار یا اس سے زیادہ کا خرچ بیٹھے گا اس سے کم کا مطلب ہے کہ آپ کا بچہ اس اسکول میں پڑھ رہا ہے جہاں پڑھانے کے بجائے بچوں کو بڑھانے کا کام زیادہ ہوتا ہے اور جہاں پانچ کلاس پڑھنے کے باوجود بچے کو ہندی میں املا لکھنے تک کا شعور نہیں آتا ہے اب اگر ان بچوں کو ٨ یا زیادہ سے زیادہ ١٠ کلاس کے بعد دینی تعلیم کے حصول کے لیے مدارس روانہ کیا جائے تب بھی یہاں بھیج کر زیادہ خوش فہمی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ مدرسہ میں آنے کے بعد خرچہ گھٹنے کے بجائے بڑھتا ہی ہے اب

دیکھیں تعلیم پر ہونے والا یہ سارا خرچہ بجٹ اور تنخواہ سے خارج ہے اب اساتذہ کے سامنے دو ہی صورتیں ہیں یا تو وہ اپنے بچوں کو بنیادی تعلیم سے محروم رکھیں اور کسی کام پر ان کو لگادیں یا پھر قرض وغیرہ لیکر کام چلائیں اور یہ دونوں صورتیں ایک عالم کے لیے باعث شرم ہیں مگر اس سے زیادہ شرم کی بات ہے اس قوم کے لیے جس نے اسلامی سرگرمیوں میں روح پھونکنے والے علماء کو اس پوزیشن میں لا کھڑا کر دیا ہے کہ انہیں اپنے بچوں کی تعلیم کے لیے بغلیں جھانکنا پڑ رہی ہیں اور اگر معاملہ صرف اسی حد تک ہوتا تب بھی غنیمت تھا مگر آگے چل کر یہی بچے جب جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہیں تو ان کے نکاح کا مسئلہ دردسر بن جاتا ہے خرچہ دیکھئے۔

لڑکی کی شادی ۳۰۰۰۰۰ یعنی تین لاکھ روپیہ

لڑکے کی شادی ۲۰۰۰۰۰ یعنی دولاکھ روپیہ

اب فیصلہ ہم قارئین اور منتظمین کی صواب دید پر رکھتے ہیں کہ آخر اتنی بڑی رقم کا انتظام کہاں سے کیا جائے گا اس لیے کہ اتنی رقم تو سالہا سال اکٹھا کرنے کے بعد جمع ہو پاتی ہے اور یہاں تنخواہ کی قلت نے کچھ جمع کرنے کی اجازت ہی نہیں دی پھر وہی ایک راستہ رہ گیا ہے کہ علماکرام عام لوگوں کی طرح قرض لیکر اپنے بچوں کی شادیاں کریں اور اپنے وقار کو مجروح کریں میں اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ آخر ایسی نوبت آنے ہی کیوں دی جائے اس پر غور وفکر کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

مکان کی تعمیر:۔ ہر انسان کی زندگی میں ایسا وقت آتا ہے جب مجبوراً اسے مکان کی تعمیر اور مناسب رہائش گاہ کی ضرورت پڑتی ہے جہاں بیوی بچے، والدین اور مہمانوں کے لیے مناسب انتظام ہو کہتے ہیں "اپنے گھر" کا احساس بڑا خوشگوار ہوتا ہے کرائے کا گھر چاہے جتنا خوبصورت کیوں نہ ہو مگر ذاتی ملکیت کا چھوٹا سا گھر ان کرائے کے بنگلوں سے بہتر اور سکون دہ ہوتا ہے اور ان جذباتی باتوں سے ہٹ کر دیکھیں تب بھی ایک مناسب مکان زندگی کی ضرورت ہے جس کے لیے غریب سے غریب اور امیر سے امیر انسان دو پیسے جمع کرتا ہے مگر افسوس اس بات کا ہے کہ میلی سی مسند لگا کر اپنی صلاحیتوں سے قوم کی روشن تقدیر کا سامان فراہم کرنے والے اساتذہ آج ڈیڑھ اینٹ کا گھر بنانے کی پوزیشن میں نہیں ہیں اور منتظمین کی "تنخواہ نوازیوں" کو دیکھ کر یہ امید بھی نہیں کی جاسکتی ہے کہ یہ اساتذہ اپنی زندگی میں ہی چھوٹا سا آشیانہ تعمیر کر سکیں گے ہو سکتا ہے کہ ہماری گفتگو پڑھ کر انتظامیہ سے تعلق رکھنے والے افراد کچھ ناک بھوں چڑھائیں مگر کیا ناک بھوں چڑھانے سے حقائق بدل سکتے ہیں یا پھر سچائی کے چہرے پر پردہ ڈالا جاسکتا ہے؟ شاید ایسا ممکن نہیں ہے ذیل میں ایک مکان کی تعمیر کا تخمینہ ملاحظہ کریں۔

زمین ۵۰ ضرب ۴۰ ۵۰۰۰۰۰ یعنی پانچ لاکھ روپیہ

تین کمرہ، مہمان خانہ، کچن، باتھ روم وغیرہ ۶۰۰۰۰۰ یعنی چھ لاکھ روپیہ

اس مکان میں نہ نقاشی ہے نہ پیوپی کا استعمال کیا گیا اور نہ ہی یہ مکان ٹائلس زدہ ہے یہ ایک بالکل سادہ اور سمپل مکان کی لاگت کا تخمینہ پیش کیا گیا ہے اب قارئین خود اندازہ لگائیں کہ کیا ۱۱۰۰۰۰۰ یعنی گیارہ لاکھ روپیہ کا انتظام چھ یا سات یا آٹھ ہزار والی تنخواہ سے ہو سکتا ہے اور ایک دو سال میں نہیں بلکہ زندگی بھر میں بھی ہو سکتا ہے ؟یقینی طور پر نہیں ہو سکتا خیر قوم کے مقدس لیڈروں کے ساتھ یہ حشر کہ وہ زندگی بھر گھر بنانے کے لیے پیسے نہ جٹا پائیں تاریخ کا انوکھا کارنامہ ہے جس کو انجام دینے کا سہرا بجا طور پر منتظمین کے سر جاتا ہے ---- بھئی مبارک ہو!

حکومتی تنخواہ:۔ حکومت کے بارے میں یہ بات ہر فرد جانتا ہے کہ وہ عوام ہی کے پیسوں سے ان کے لیے سہولیات کی فراہمی کا بندوبست کرتی ہے ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ وہ اپنے خزانے سے عوامی بہبود اور فلاح کے لیے بلا عوض کوئی کام کرا دے اگر حکومت محض آمد و رفت کے لیے اچھی سی گزر گاہ بھی بنواتی ہے تو سالوں سال ٹیکس لیکر عوام ہی کے پیسوں سے اس بجٹ کی بھرپائی کر لیتی ہے ایسی صورت حال میں ہندوستان بھر کے مختلف شعبوں میں جو سرکاری ملازمین اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں اور اس کے بدلے انہیں جو تنخواہ دی جارہی ہے ہم پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ وہ تنخواہ اتنی ہی ہو سکتی ہے حالات جتنے کا جبری تقاضہ کریں اس سے زائد ذرہ نوازی کی امید حکومت سے بالکل نہیں کی جاسکتی ہے کہتے ہیں ہر پانچ سال میں "لیکھا ایوم وتّ ادھیکاری" کے ذریعہ حالات کا جائزہ لیا جاتا ہے اور اس کی پوری ٹیم انسانی ضروریات اور اخراجات کا تجزیہ کرتی ہے اور پھر رپورٹ پیش کرتی ہے کہ کس درجہ کے شہری کا گزارہ متوسط درجہ میں کتنی تنخواہ پر ہو سکتا ہے اس رپورٹ کے پاس ہونے کے بعد حکومت اتنی تنخواہ جاری کر دیتی ہے آیئے دیکھیں ان

ماہرین ضروریات انسانی کا تجزیہ شعبۂ تدریس میں کیا کہتا ہے۔

پرنسپل	۳۷۰۰۰
نائب عالیہ	۳۴۰۰۰
مدرس فوقانیہ	۳۴۰۰۰
مدرس تحتانیہ	۲۸۰۰۰
چپراسی	۱۸۰۰۰

گویا تجزیہ کاروں کی ٹیم کا عندیہ اور جائزہ یہ ہے کہ ایک " چپراسی " جس کے نام ہی سے غریبی و مفلسی اور بے سر سامانی کی بو آتی ہے اسے اپنی سطح کی زندگی گزارنے کے لیے کم از کم اٹھارہ ہزار روپیہ کی ضرورت و حاجت پڑے گی لہذا اتنا مشاہرہ اسے دیا جائے اور دیا بھی جا رہا ہے نیز سرکاری تنخواہ سے قطع نظر آپ اپنے گرد و پیش میں دیکھیں تو ایک راج مستری ۵۰۰ روپیہ اور ایک بڑھئی بھی ۵۰۰ روپیہ کا مطالبہ کر رہا ہے اور انہیں بھی اتنا دیا جا رہا ہے گویا ۱۵۰۰۰ یعنی پندرہ ہزار روپیہ ماہانہ اس سے کم پر وہ کام کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں اور اگر ان سے کہا جائے کہ جناب! تھوڑا کم لے لیجئے تو میں نے خود یہ الفاظ ان کے منھ سے سنے ہیں کہ " ہمیں اپنے بچوں کا گلا نہیں گھونٹنا ہے "

ایک طرف تو حقائق یہ کہہ رہے ہیں اور دوسری طرف ہزاروں نکتہ رس اساتذہ و مدرسین کی واجبی ضروریات سے جان بوجھ کر چشم پوشی کر کے انہیں ہما اور شما کے رحم و کرم پر چھوڑا جا رہا اور یہ کہ کر ان کی بے بسی کا فائدہ اٹھایا جا رہا ہے کہ " بھئی ! اتنا ہی دے پائیں گے اگر پڑھانا ہے تو پڑھائیں ورنہ ہم دوسرا تلاش کر لیں گے بہت مل جائیں گے " ایک عالم اپنے وقار کے ہاتھوں مجبور ہوتا ہے وہ بارہ سال اسلامیات پڑھنے کے بعد درسگاہ کے علاوہ کسی اور میدان میں نہیں جا سکتا ہے اور نہ جانے کے قابل بچتا ہے اسی بے بسی کا فائدہ منتظمین اچھی طرح اٹھا رہے ہیں مگر ہم صرف یہ کہہ کر گزرنا چاہتے ہیں کہ:۔

دل سے جو آہ نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

حیواناتی تنخواہ:۔ ایک جانور کے لیے اگر آپ اتنا پیسہ مختص کر دیں جو اس کی صرف غذا کے لیے کافی ہو تو اس میں جانور کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا کہ آخر اس کے علاوہ اس کا اور خرچہ ہی کیا ہے شادی بیاہ اسے کرنا نہیں ہے مکان اسے بنانا نہیں ہے بال بچے دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے تعلیم و تربیت سے اسے کوئی سروکار نہیں ہے بیمار ہو جائے تو یہ مالک کی پریشانی ہے مگر ایک انسان ایسا نہیں ہے اسے جو کرنا ہے خود کرنا ہے کھانے کے علاوہ مذکورہ سارے اخراجات اس سے جڑے ہوئے ہیں اور اسے اپنی روزانہ کی تنخواہ سے ہی ان سب کا انتظام کرنا ہوتا ہے اب اگر اسے صرف اتنی تنخواہ دی جائے جو محض کھانے کے لیے کافی ہو تو یہ انسان کے ساتھ ظلم ہو گا مثلا ایک بکری دن بھر میں چالیس روپیہ کا کھانا کھا لیتی ہے (پتی + سانی) اس حساب سے چھ ۶ بکریوں کا روزانہ کا خرچہ ۲۴۰ روپیہ ہوتا ہے (ماہانہ = ۷۲۰۰) اور یہ ان کے لیے کافی ہے مگر انسان کے چھ افراد کے لیے روزانہ اتنی رقم کافی نہیں ہے وجہ ظاہر ہے جبکہ آج اساتذہ کو اتنی ہی تنخواہ دی جا رہی ہے اور یہاں بھی چھ افراد ہیں حالانکہ ان کا کام کم سے کم بکریوں سے تو اچھا ہی ہے اب یہ تو منتظمین ہی بتائیں گے کہ آخر وہ علما کرام اور مدارس کے اساتذہ کو " انسانی تنخواہ " کے بجائے " حیواناتی تنخواہ " دے کر کیا تاثر دینا چاہتے ہیں؟

بدلتے نظریات اور ضائع ہوتی صلاحیتیں

مدارس اسلامیہ میں شب و روز محنت کرنے والے طلبہ جن کی زندگی کا بہترین حصہ کتابیں کھنگالنے ، مطالعہ کرنے ، اور درسی استعداد پیدا کرنے میں گزر جاتا ہے یقینی طور پر ان کی یہ تمنا اور آرزو ہوا کرتی ہے کہ وہ بھی کسی اچھی درسگاہ میں بیٹھ کر درس و تدریس کی محفل سجائیں یقین مانئے ایک باصلاحیت عالم کو اگر درسگاہ نہ ملے تو اسے اپنی زندگی پھیکی محسوس ہوتی ہے اسے یاروں کی محفل ، دوستوں کی انجمن اور اسٹیجوں کی چمک دمک میں وہ مزہ نہیں آتا ہے جو سرور بوسیدہ دری اور سفید مسند لگا کر مدرسہ کے خستہ حال کمرے میں بیٹھ کر طلبہ کو پڑھانے میں آتا ہے مگر اب دھیرے دھیرے یہ تڑپ رخصت ہو رہی ہے ، نظریات بدل رہے ہیں اور صلاحیتیں بے دریغ ضائع ہو رہیں اب باصلاحیت علما کرام بھی مدارس سے دور بھاگ رہے ہیں اور دوسرے میدانوں میں قسمت آزمائی کر رہے ہیں ہمارے ایک دوست جو ہندوستان کی معروف درسگاہ سے فارغ ہیں باصلاحیت ہیں کام کے انسان تھے فی الحال ممبئی کی کسی مسجد میں امامت کے فرائض انجام دے رہے ہیں میں نے حالات دریافت کئے تو کہنے لگے " مولانا ! بہت سکون سے زندگی گزر رہی ہے بال بچوں کا مناسب انتظام بھی ہو گیا ہے " میں نے کہا اور وہ تمھاری صلاحیت ؟ تو جواب دیا

" صلاحیت کا اچار تھوڑا رکھنا ہے روٹی کپڑے کا مناسب انتظام

ہو تو صلاحیت اچھی لگتی ہے"

کیا ان جملوں سے بغاوت اور ذہنی اور فکری بدلاؤ یا انقلاب کی بو نہیں آرہی ہے ؟ کیا ابھی بھی ہمیں ہوش کے ناخن لینے کی ضرورت نہیں ہے ؟؟ اگر آپ اپنے ضمیر سے پوچھیں گے کہ ان صلاحیتوں کے ضائع ہونے کا ذمہ دار کون ہے ؟؟؟ تو دھیرے سے آواز آئیگی منتظمین منتظمین منتظمین۔

ترقی کا راز:۔ مائیکروسوفٹ کے موجد Billgates کو صرف دس منٹ کے لیے وہائٹ ہاؤس (white house) بلایا جاتا ہے ایک بھاری قیمت پر اور پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ آپ اس مختصر سے وقت میں کوئی ایسا مشورہ دیں جو ہمارے ملک کی ترقی کے لیے مفید ہو اور ایسا پروجیکٹ ہو جس میں ہم کروڑوں اور اربوں روپیہ کا بجٹ لگا سکیں دنیا کا انتہائی ذہین یہ انسان کھڑا ہوتا ہے اور صرف اتنا کہہ کر چلا جاتا۔

"اچھے اساتذہ پیدا کیجئے قیمت کچھ بھی چکانی پڑے ملک ترقی کی دوڑ میں آگے ہوگا"

دنیا کا بہترین ذہن اچھے اساتذہ کو ملک کی ترقی کا اہم سبب قرار دے رہا ہے اور یہ مشورہ دے رہا ہے کہ قیمت کتنی بھی چکانی پڑے مگر اچھے اساتذہ تیار کیے جائیں ۔ایک طرف تو یہ اعتراف اور دوسری طرف ہمارے منتظمین کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے مدارس میں ذی صلاحیت اور اچھے سے اچھے اساتذہ کے انتخاب کی کوشش تو کرتے ہیں مگر قیمت چاہے جتنی نہیں بلکہ سات یا آٹھ ہزار ہی چکانا چاہتے ہیں اگر حالت ایسے ہی ناگفتہ بہ رہے تو کیا یہ امید کی جا سکتی ہے کہ مستقبل میں اچھے اساتذہ کی تعداد بڑھے گی ؟ امید کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوستا ہے ماہر اساتذہ کی تعداد میں اضافہ تو کجا آنے والے دنوں میں مدرسوں میں بچے بھی ملنا دشوار ہوں گے بھلا کوئی اپنے بچے کے مستقبل کو کیوں داؤں پر لگائے گا ؟ اب ہمیں نہیں معلوم کہ اسلامیات کے حوالے سے قوم مسلم کی ترقی کا گراف کیسے بڑھے گا اور ہماری نئی نسل اس اہم شعبے کے طرف کیسے متوجہ ہوگی جس کی آنکھیں مادیت کی چکاچوندھ میں کھل رہی ہیں "یاللأسف ماذا سیحدث ؟"

تلقین توکل:۔ کہیں کہیں ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ جب اساتذہ منتظمین کے سامنے اپنی ضروریات کا اظہار کرتے ہیں اور تنخواہ کے تعلق سے کچھ گزارشات لیکر آتے ہیں تو ان سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ "بھئی ! توکل ، قناعت اور صبر بھی تو کوئی چیز ہے ؟ اگر علما کرام ہی توکل سے کام نہیں لیں گے تو پھر قوم کو کیا سبق دیں گے" وغیرہ وغیرہ جملے کہہ کر جلے میں نمک چھڑکنے کا کام کیا جاتا ہے خیر سب سے پہلے تو ہم یہ بتا دیں کہ "توکل" اور "قناعت" جس چیز کا نام ہے وہ از اول تا آخر انفرادی اور ذاتی معاملہ ہے دوسرے پر تھوپنے والی چیز قطعی نہیں ہے اگر یہ دور ابراہیم بن ادہم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا تو کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی اساتذہ دنیا کو خیر آباد کہہ کر جنگل میں بستر لگا لیتے اور وہیں بیٹھ کر درس کی محفل بھی جما لیتے اور توکل و قناعت کا بھرپور مظاہرہ کرتے اس لیے کہ اس وقت معاملہ صرف ان کی ذات تک محدود رہتا مگر کیا کیا جائے کہ اب علما کرام کو عوام کے درمیان سماجی رسوم و رواج کے ساتھ زندگی بسر کرنا پڑتی ہے جہاں والدین ، بیوی ، بچے اور ان کی ضروریات ہمہ وقت " ھل من مزید " کا نعرہ لگاتے ہوئے نظر آتے ہیں اساتذہ ان کی ضروریات سے چشم پوشی تو نہیں کرسکتے اور پھر زمانہ کی سوچ میں آئی تبدیلی کو بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کل جب علما کرام فاقہ پر فاقہ کرتے تھے تو عوام میں ان کی مقبولیت کا گراف بھی اسی تیزی سے بڑھتا تھا اور آج اگر علما فاقہ کشی کی زندگی گزارتے بھی ہیں تو عوام اسے بے چارگی اور لاچاری پر محمول کر کے الٹا علم دین اور دینی تعلیم و تعلم سے متنفر اور ہونے لگتے ہیں بلکہ ہو رہے ہیں جبکہ اگر مدارس سے فارغ ہونے والے علما کی مالی حالت کو درست کرنے اور انہیں مناسب تنخواہ دینے کی طرف توجہ کی جائے تو شاید نفرت و کراہت کی یہ فضا قائم نہ ہو جو آج عوام میں متعارف ہے حاصل کلام یہ کہ توکل انفرادی چیز ہے اس کو بنیاد بنا کر تنخواہ میں کمی کے جواز کی کوئی صورت نہیں ہے اس لیے کہ ہر عالم کے ساتھ کم از کم پانچ افراد جڑے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ منتظمین کو توکل کی حقیقت کا عرفان بخش دے ---------آمین

اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھیں کہ عوام میں علما کی پکڑ اور ان کی باتوں کا وزن اسی وقت ہوتا ہے (اگر وہ پیر نہیں ہیں ورنہ تو معاملہ ٹھیک رہتا ہے) جب عوام کو یہ احساس ہو جائے کہ عالم ہونے کے ساتھ ساتھ مالی حیثیت سے بھی وہ بے نیاز ہیں بصورت دیگر غریبی اور مفلسی کا عفریت علما کے وقار کو بری طرح کھا جاتا ہے جو علما محلہ میں دس لوگوں کے مقروض ہوں کیا ان کا رعب و دبدبہ قائم رہ سکتا ہے ؟ لوگ ان سے بھاگنے لگتے ہیں بہر حال قومی اور مذہبی قیادت کے

لیے مادی بے نیازی اولین شرط ہے اس کے بغیر لوگ آپ کو سنیں گے مگر مانیں گے نہیں ایک عرب شاعر نے بڑے پتے کی بات کہی ہے لکھتا ہے۔

سأعمل نصّ العيس حتىّٰ يكفني
غنىٰ المال يوماً أو غنىٰ الحدثان
فللموت خير من حياة يرىٰ لها
على المرء ذى العلياء مسّ هوان
متى يتكلم يلغ حكم مقاله
و ان لم يقل قالوا عديم بيان
كأنّ الغنىٰ فى اهله بورك الغنىٰ
بغير لسان ناطق بلسان

(۱) میں تلاش معاش میں اونٹوں کو تیز ہانکتار ہوں گا یہاں تک کہ مال کی فروانی اور حوادثات زمانہ سے بے فکری مجھے روک دے

(۲) کیوں کہ اس زندگی سے تو موت بہتر ہے جس میں بلند مقام آدمی پر ذلت وحواری کا اثر دیکھا جائے

(۳) اس لیے کہ جب وہ (غریب) بولتا ہے تو اس کی بات بے اثر ہو جاتی اور اگر نہ بولے تو لوگ کہتے ہیں کہ وہ گونگا ہے

(۴) مبارک ہو تونگری مالداروں کو اس لیے کہ دولت بلا زبان بولتی ہے (مجانی الادب)

ان اشعار سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مفلسی یا غربت کی وجہ سے بات میں وزن نہ ہونا یا لوگوں کا اہمیت نہ دینا یہ قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے جو آج تک جاری ہے اسی لیے اگر علما کرام کے وقار کو دوبالا کرنا ہے تو ضروری ہے کہ ان کو مالی حیثیت سے بھی مضبوط کیا جائے اور دوسروں کا دست نگر نا بننے دیا جائے خاص کر عوام کا ورنہ جس وقار کو حاصل کرنے کے لیے اس نے دس سال دال روٹی کھائی ہے اس میں یقینی طور پر حرف آ سکتا ہے اور یہ تبھی ممکن ہے جب تنخواہوں میں خاطر خواہ اضافہ ہو۔

پریشانی کیا ھے:۔ ذہن وفکر کے سارے خلیوں کو بروئے کار لانے کے باوجود ہم اس مسئلہ کو سمجھنے سے قاصر ہیں کہ آخر اساتذہ کرام کی تنخواہ میں اگر خاطر خواہ زیادتی کر دی جائے اور انہیں قابل ذکر تنخواہ دی جائے تو اس میں پریشانی کیا ہے؟؟؟ قوم پیسہ دے رہی ہے برابر دے رہی ہے اور دیتی رہے گی منتظمین کا کام صرف جمع کر کے مدرسہ میں خرچ کرنا ہے پھر اساتذہ کے تعلق سے اتنی تنگ نظری کیوں؟

کچھ منتظمین اس سلسلہ میں اپنے ماتھے پر غور وفکر والی لکیریں ظاہر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جناب! اتنا بڑا مدرسہ چلانا کوئی کھیل نہیں ہے اس کا انتظام وانصرام کیسے کرنا ہے اور کتنا کسے دینا ہے اسے ہم بہتر سمجھتے ہیں" اس وقت ایسا محسوس ہوتا ہے گویا ہمارے اساتذہ کسی دوسرے سیارے سے وارد ہوئے ہیں جنہیں مدرسہ چلانے کا شعور نہیں ہے یا پھر وہ یہ نہیں جانتے کہ مدرسہ کیسے چلایا جاتا ہے۔ ہمیں خود ذاتی طور پر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ مدرسہ چلانے کا یہ کون سا طریقہ ہے کہ چار پانچ سو بچوں کو جمع کر لیا جائے ان کے کھانے کا انتظام ہو کاپی کتابیں ،رہائش ، پانی، بجلی ہر چیز کا اچھا انتظام ہو مگر اساتذہ کے لیے وہی چھ ہزار یا سات ہزار۔ چندہ کرتے وقت اکثر یہ جملے بولے جاتے ہیں کہ" مدرسہ کی مستقل آمدنی کے ذرائع نہیں ہیں بس آپ لوگوں کی محنت اور" خدا کے فضل" سے یہ مدرسہ بہت اچھی طرح چل رہا ہے اور یوں ہی چلتا رہے گا مگر خدا کے اسی فضل کی بات جب اساتذہ کی تنخواہ کے تعلق سے کی جائے کہ اسے بھی بڑھا دیا جائے" خدا کے فضل" سے اس کا انتظام بھی اہل خیر حضرات کی طرف سے ہو جائے گا تو پتہ نہیں انتظامیہ کو پیاس کیوں لگنے لگتی ہے اور ان کے ذہن میں موجود" خدائی فضل" والا وہ تصور اتنا سست کیوں ہو جاتا ہے کہ اس سطح تک پہنچتے پہنچتے وہ بالکل رک جاتا ہے اور دیگر اخراجات کا پلندہ دکھا کر اساتذہ کو خاموش کر دیا جاتا ہے ہندوستان کی ہر انتظامیہ سے معافی کے ساتھ یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مدرسہ چلانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بچوں کی بھیڑ ہو بلڈنگ میں پھیلاؤ ہو مگر اساتذہ کشکھا اور چائے پانی تک کے لیے جگاڑ تلاشیں اور آئے دن مضطرب وحیران رہیں پانچ سو کے بجائے ڈھائی سو بچے رکھنا اور اساتذہ کی تنخواہ مناسب کر دینا زیادہ بہتر اور قوم کے حق میں اچھا ہے۔

آخری بات:۔ مذکورہ بالا طویل گفتگو سے ہمارا مقصد قطعی طور پر انتظامیہ اور منتظمین کو لعن طعن کرنا نہیں ہے ان کی محنت اور مدارس کے انتظام کے لیے ان کی شب و روز کی تگ و دو یقینا لائق مبارک باد اور قابل ستائش ہے اللہ رب العزت اس کا اجر انہیں ضرور دے گا بلکہ اس تحریر سے زندگی کے دیگر پہلوؤں کو دکھا کر تلخ حقائق کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے جسے شعوری یا غیر شعوری طور پر

نظر انداز کیا جارہا ہے در اصل یوپی سے لیکر کیرالا اور دہلی تک کے مدارس کے حالات جاننے کا ہمیں موقعہ ملا تو حیرت انگیز طور پر ہر جگہ کی انتظامیہ کو فکری اور ذہنی طور پر متحد و متفق پایا یعنی طلبہ کی بھیڑ، بلڈنگ کی توسیع، سہولیات کی فراوانی، رہائش کے انتظامات مگر اساتذہ کے تعلق سے وہی تنگ نظری اور معمولی تنخواہیں اس رویہ کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ اکثر منتظمین حضرات یہ سوچ رکھتے ہیں کہ مدرسہ کو بڑا کرلینا اور طلبہ کی بھیڑ اکٹھا کرلینے ہی میں مدرسہ کی کامیابی اور ترقی ہے جبکہ ایسا قطعی نہیں ہے کسی بھی مدرسہ کی ترقی اور کامیابی کا پورا دارو مدار اساتذہ کی محنت اور صلاحیت پر ہے اگر یقین نہ ہو تو اینٹ گارے کا مدرسہ تعمیر کیجئے اور کھانے کے نام پر دونوں وقت چاول اور پانی والی دال رکھئے مگر اچھے اساتذہ کا انتظام کرلیجئے ہم پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ چاروں طرف سے طلبہ کے اتنے قافلے نازل ہوں گے کہ داخلہ کا رجسٹر بھی تنگی صفحات کا گلہ کرے گا اور ایسے مدرسے ہماری نظر میں ابھی بھی ہیں جہاں کا سارا کاروبار اساتذہ سے چل رہا ہے جب کہ خورد و نوش کا نظام خستہ حالی کا شکار ہے۔

اسی کے ساتھ ساتھ اس بات پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کہیں ہمارے اس عمل سے مستقبل میں بہت بڑے نقصان کا خطرہ تو نہیں بڑھ رہا ہے میرے خیال سے معاملہ کچھ ایسا ہی ہے اور وہ خطرہ ہے اچھے اساتذہ کی قلت کا آج حالات اس قدر ناگفتہ بہ ہو چکے ہیں کہ اگر امامت و تدریس میں کسی ایک شعبہ کو چننے کا اختیار دیا جائے تو بہترین درسی صلاحیت کے مالک علما بھی امامت کو ترجیح دے رہے ہیں جیسا کہ مندرجہ بالا گفتگو میں ایسے ہی ایک باصلاحیت عالم کا ذکر ہم نے کیا۔ کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ منتظمین حضرات اپنے رویہ پر نظر ثانی کریں؟ نیز کیا تنخواہ کی قلت یہی ایک اہم سبب نہیں ہے جس کی وجہ سے متمول گھرانے کے لوگ اپنے بچوں کو مدارس بھیجنے سے ہچکچاتے ہیں؟ ورنہ آخرت میں نجات اور شفاعت کا تصور اتنا ہلکا نہیں ہے کہ لوگ اپنے ایک بچے کو مدرسہ بھیج کر اس کا انتظام نہ کریں مگر غربت کی شبیہ نے ان کے ذہن میں تفکیر کے ہزاروں کیڑے پیدا کردیے ہیں جو دین کی راہ میں قدم اٹھانے سے پہلے ہی کلبلانے لگتے ہیں اگر جماعت میں مقررین کی طرح اچھے اساتذہ کا گراف بڑھانا ہے تو ہمیں تنخواہ پر دھیان دینا ہوگا۔

مفکر اسلام حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی نے مدرسوں کی ترقی کے لیے ایسے اساتذہ لانے پر زور دیا ہے جو خطیب نہ ہوں ان کا یہ مشورہ بہر حال عملاً نافذ کیے جانے کے لائق ہے مگر اسی کے ساتھ ساتھ ہم اتنا اضافہ اور کرنا چاہیں گے کہ ایسے اساتذہ کی تنخواہ بھی اتنی متعیّن کی جائے کہ وہ خطیبوں کی بھری جیبیں دیکھ کر مایوسی اور پست ہمتی کے شکار نہ ہوں ورنہ تو ایسے اساتذہ جیتے جی مرجائیں گے۔

خیر نا چاہتے ہوئے بھی ہمیں اپنے قلم کو یہاں پر روکنا پڑ رہا ہے مگر ہم امید کرتے ہیں کہ ہماری تحریر پڑھنے کے بعد ہندوستان بھر کی انتظامیہ ایک مرتبہ اپنے فیصلوں پر نظر ثانی ضرور کرے گی اور سنجیدگی سے غور و فکر کے ذریعہ اس مسئلہ کے حل کی طرف توجہ دیں گی اسی کے ساتھ ساتھ ہم اپنے قائین سے بھی گزارش کریں گے کہ اگر ہماری پیش کردہ ایرادات حق بجانب ہوں تو اپنے خیالات کا اظہار ضرور کریں اور اگر ہم نے اپنی پیش کش میں فکری طور پر کہیں ٹھوکر کھائی ہے تو اس پر متنبہ کریں اپنے تاثرات کے ذریعہ مذکورہ فکر کی توسیع میں حصہ لیجیے آپ کے دو لفظ کئی منجمد فکروں کو دوبارہ سوچنے پر مجبور کرسکتے ہیں ہمیں انتظار ہے آپ کا، آپ کے موقف کا اور آپ کے نظریہ کا۔

نوٹ:۔ ہم نے اپنی گفتگو میں فروعی ضروریات کے متعلق جو بھی بجٹ پیش کیا ہے وہ بالکل معمولی ہے ہو سکتا ہے وہ اصل ضروریات سے بھی کم ہو مگر ہم نے کچھ مصلحت کے تحت کم سے کم بجٹ پیش کیا ہے نیز اس کے علاوہ اور بھی اہم ضروریات انسانوں سے جڑی ہیں ہم نے ان سے بھی صرف نظر کی ہے مثلاً علاج و معالجہ، سفر ، بجلی پانی، تیوہاروں کے اضافی خرچے وغیرہ وغیرہ ☆☆☆

ماہ نامہ اشرفیہ حاصل کریں

مخدوم ملت لائبریری

پوسٹ سیف آباد، ضلع پرتاپ گڑھ (یوپی)

مولانا محمد جسیم الدین صاحب

مقام و پوسٹ کسکو، ضلع لوہردگا (جھارکھنڈ

مولانا ہارون رشید صاحب

عزیزی کتاب گھر

مقام و پوسٹ بڑہریا، ضلع سیوان (بہار)

واقعۂ معراج میں عقائد اہلِ سنت کی جلوہ گری

محمد عطاء النبی حسینی مصباحی

معجزات انبیاے کرام علیہم السلام کی زندگی کا ایک اہم اور نمایاں باب ہے ۔ کیوں نہ ہو کہ معجزات دلیل نبوت میں سے ایک دلیل ہے لیکن ضروری نہیں کہ ہر دلیل ہر کوئی سمجھ لے یا ہر کوئی قبول کر لے یہی وجہ ہے کہ معجزات انبیا کو دیکھ کر ایمان والے خوش نصیبوں کو ایمان کی تازگی اور پختگی کی دولت ملی اور بہت کو ایمان ہی کی لذت نصیب ہوئی لیکن عقل کے گھوڑے پر شہ سواری کرنے والے محرومین کو نہ صرف ایمان کی عظیم نعمت سے محرومی مقدر بنی بلکہ وہ اپنی بے ایمانی میں اس قدر بڑھے کہ بڑھتے ہی چلے گئے ۔ انہیں معجزات سے ایک نہایت ہی منفرد، ممتاز اور نمایاں معجزہ " معراج " ہے ۔ جسے قبول کر کے کسی نے " صدیق " کا لقب پایا تو کوئی ابو جہل " ابو جہل " ہی رہا، کوئی مشرف باسلام ہوا تو کوئی فنا فی النار ہونے کا حقدار بنا۔ اس معراج میں جہاں امت محمدیہ کو نبی کریم ﷺ کے صدقے " معراجِ مومن " یعنی نماز کا تحفہ ملا وہیں متعدّد بنیادی عقائد کا ہدیہ بھی عطا ہوا۔ یقیناً مختلف احادیث میں مختصر مختصر بیان کردہ مکمل سفر معراج کی روداد کا مطالعہ کیا جائے تو اس روداد ہی سے کئی عقائد اہل سنت اظہر من الشمس اور ابین من الامس ہو جاتے ہیں ۔ ذیل میں انہیں مختلف احادیث میں بیان کردہ سفرِ معراج کی روداد اور ان سے ماخوذ ہونے والے عقائد اہل سنت سپرد قرطاس کرنے کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے ۔

نبی کریم ﷺ نے ہجرت سے دو سال قبل ۲۷ / رجب المرجب کی پر نور و پر کیف شب میں سفرِ معراج فرمایا جس کی ابتدا آپ کی پھوپھی حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان سے ہوئی جہاں آپ ﷺ آرام فرما تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حاضر بارگاہ ہو کر آپ کو مکانِ ام ہانی سے حطیمِ کعبہ میں لٹا دیا۔ آگے کیا ہوا، حضور ﷺ کی زبانی حضرت مالک بن صعصعہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :

" بَيْنَمَا أَنَا فِي الْحَطِيمِ وَرُبَّمَا قَالَ فِي الْحِجْرِ مُضْطَجِعًا إِذْ أَتَانِي آتٍ فَقَدَّ قَالَ وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ فَشَقَّ مَا بَيْنَ هَذِهِ إِلَى هَذِهِ فَقُلْتُ لِلْجَارُودِ وَهُوَ إِلَى جَنْبِي مَا يَعْنِي بِهِ قَالَ مِنْ ثُغْرَةِ نَحْرِهِ إِلَى شِعْرَتِهِ وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ مِنْ قَصِّهِ إِلَى شِعْرَتِهِ فَاسْتَخْرَجَ قَلْبِي ثُمَّ أُتِيتُ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ مَمْلُوءَةٍ إِيمَانًا فَغُسِلَ قَلْبِي ثُمَّ حُشِيَ ثُمَّ أُعِيدَ (۱)

میں حطیم میں، اور کبھی فرمایا: حطیم کی جگہ حجر میں لیٹا تھا کہ ایک آنے والا میرے پاس آیا تو اس نے (میرا سینہ) یہاں سے وہاں تک چاک کر ڈالا راوی کہتا ہے کہ میں نے اپنے پہلو میں بیٹھے حضرت جارود سے دریافت کیا: یہاں سے یہاں تک کا کیا مطلب ہے ؟ ۔ انہوں نے کہا حلقوم سے زیر ناف تک ۔ تو اس نے میرا قلب نکالا پھر ایمان سے لبریز سونے کا ایک طشت میرے پاس لایا گیا اور میرا دل دھویا گیا پھر (وہیں) رکھ دیا گیا۔

اس کے بعد براق حاضر کیا گیا اور آپ ﷺ نے سوار ہو کر حضرت جبریل علیہ السلام کی معیت میں بیت المقدس کی طرف سفر کا آغاز فرمایا جس کی روداد حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں :

أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أُتِيتُ بِدَابَّةٍ فَوْقَ الْحِمَارِ وَدُونَ الْبَغْلِ خَطْوُهَا عِنْدَ مُنْتَهَى طَرْفِهَا فَرَكِبْتُ وَمَعِي جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَام فَسِرْتُ فَقَالَ انْزِلْ فَصَلِّ فَفَعَلْتُ فَقَالَ أَتَدْرِي أَيْنَ صَلَّيْتَ صَلَّيْتَ بِطَيْبَةَ وَإِلَيْهَا الْمُهَاجَرُ ثُمَّ قَالَ انْزِلْ فَصَلِّ فَصَلَّيْتُ فَقَالَ أَتَدْرِي أَيْنَ صَلَّيْتَ صَلَّيْتَ بِطُورِ سَيْنَاءَ حَيْثُ كَلَّمَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَام ثُمَّ قَالَ انْزِلْ فَصَلِّ فَنَزَلْتُ فَصَلَّيْتُ فَقَالَ أَتَدْرِي أَيْنَ صَلَّيْتَ صَلَّيْتَ بِبَيْتِ لَحْمٍ حَيْثُ وُلِدَ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَام (۲)

بیلا، جنکپور دھام، دھنوشا (نیپال)
hussainimisbahi@gmail.com

رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا (ایک روز) میرے پاس ایک جانور لایا گیا جو کہ گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا جس کا قدم تا حد نگاہ پڑتا۔ میں اس جانور پر سوار ہوا اور میرے ساتھ جبرائیل علیہ السلام تھے۔ میں روانہ ہوا تو حضرت جبرائیل نے عرض کیا: اتر کر نماز ادا فرمائیں۔ تو میں نے نماز ادا کی۔ حضرت جبرائیل نے عرض کیا: آپ ﷺ کو معلوم ہے کہ آپ نے کس جگہ نماز ادا فرمائی۔ (پھر معاً خود ہی جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں) آپ ﷺ نے طیبہ (مدینہ منورہ) میں نماز ادا فرمائی، اسی جانب ہجرت ہوگی۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے (ایک جگہ) اتر کر نماز ادا کرنے کو کہا: آپ ﷺ نے نماز ادا فرمائی۔ حضرت جبرائیل نے عرض کیا: آپ ﷺ کو معلوم ہے کہ آپ نے کس جگہ نماز ادا فرمائی۔ (پھر معاً خود ہی جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں) آپ ﷺ نے طور سینا پر نماز ادا فرمائی جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شرف ہم کلامی سے مشرف فرمایا۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے (ایک جگہ) اتر کر نماز ادا کرنے کو کہا: آپ ﷺ نے نماز ادا فرمائی۔ حضرت جبرائیل نے عرض کیا: آپ ﷺ کو معلوم ہے کہ آپ نے کس جگہ نماز ادا فرمائی۔ (پھر معاً خود ہی جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں) آپ ﷺ نے بیت اللحم میں نماز ادا فرمائی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے ولادت ہے۔

نمازیں ادا فرمانے کے بعد آپ ﷺ بیت المقدس کی طرف رواں دواں تھے کہ راستے کے کنارے ایک بوڑھی کھڑی تھی، آپ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا: اے جبریل! یہ کون ہے؟ عرض گزار ہوئے: اے محمد ﷺ! آپ بڑھتے چلیں۔ تو آپ ﷺ بڑھتے چلے گئے۔ پھر کسی نے راستے کے کنارے سے آپ ﷺ کو پکارتے ہوئے کہا: اے محمد ﷺ! ادھر آئیں۔ لیکن پھر حضرت جبریل نے عرض کیا: اے محمد ﷺ! آپ بڑھتے چلیں تو آپ ﷺ بڑھتے چلے گئے واقعہ کی منظر کشی کرتے ہوئے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ گویا ہیں:

فلقيه خلق من الخلق فقالوا السلام عليك يا أول السلام عليك يا آخر السلام عليك يا حاشر فقال له جبريل أردد السلام يا محمد فرد السلام ثم لقيه الثانية فقال له مثل مقالته الأولى ثم الثالثة كذلك حتى انتهى إلى بيت المقدس (۳)

پھر ایک جماعت سے آپ کا سامنا ہوا۔ انہوں نے آپ ﷺ کو سلام عرض کرتے ہوئے کہا: اے اول ﷺ! آپ پر سلامتی ہو، اے آخر ﷺ! آپ پر سلامتی ہو اور اے حاشر ﷺ! آپ پر سلامتی ہو۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا: اے محمد ﷺ! آپ سلام کا جواب عطا فرمائیں تو آپ ﷺ نے جواب سے نوازا۔ پھر دوسری جماعت سے ملاقات ہوئی اور پہلی جماعت کی طرح بات ہوئی اور اسی طرح تیسری جماعت سے ملاقات اور بات ہوئی۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ بیت المقدس پہنچ گئے۔

اس دوران آپ ﷺ نے اپنے ایک اہم مشاہدہ بھی بیان فرمایا جس کو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یوں الفاظ کی لڑی میں پرویا:

أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ أَتَيْتُ وَفِي رِوَايَةِ هَدَّابٍ مَرَرْتُ عَلَى مُوسَى لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي عِنْدَ الْكَثِيبِ الْأَحْمَرِ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي قَبْرِهِ (۴)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں آیا اور ہداب کی روایت میں ہے کہ معراج کی رات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزرا جو ریت کے سرخ ٹیلے کے پاس واقع ہے (میں نے ملاحظہ کیا کہ) موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں کھڑے نماز ادا کر رہے تھے۔

یہاں تک سفر مبارک طے کرنے کے بعد آپ کو ندا دینے والی بڑھیا نا معلوم شخص اور آپ کی بارگاہ اقدس میں سلام کا نذرانہ عقیدت پیش کرنے والی جماعتیں کون تھیں، تعارف پیش کرتے ہوئے حضرت جبریل علیہ السلام عرض گزار ہوتے ہیں:

أما العجوز التي رأيت على جانب الطريق فلم يبق من الدنيا إلا ما بقى من عمر تلك العجوز وأما الذى أراد أن تميل إليه فذلك عدو الله إبليس أراد أن تميل إليه وأما الذين سلموا عليك فإبراهيم وموسى وعيسى عليهم السلام . (۵)

جس بڑھیا کو آپ نے راستے کے کنارے دیکھا تھا وہ دنیا تھی جس کی عمر صرف اتنی ہی باقی رہ گئی ہے جتنی عمر اس بڑھیا کی، جس نے آپ ﷺ کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا وہ دشمن خدا ابلیس تھا جو چاہتا تھا کہ آپ اس کی طرف مائل ہو جائیں اور جنہوں نے آپ ﷺ پر سلام کا ہدیہ پیش کیا وہ حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام تھے۔

پھر بیت المقدس میں آپ ﷺ کی آمد ہوتی ہے جہاں تمام انبیائے کرام جمع تھے۔ جیسا کہ روایت میں ہے:

ثُمَّ دَخَلْتُ بَيْتَ الْمَقْدِسِ فَجُمِعَ لِيَ الْأَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ

السَّلَامُ فَقَدَّمَنِي جِبْرِيلُ حَتَّى أَمَمْتُهُمْ (٦)

اس کے بعد آپ ﷺ بیت المقدس میں داخل ہوتے ہیں جہاں تمام انبیائے کرام تشریف فرما تھے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے (امامت کے لیے) آپ ﷺ کو آگے بڑھا دیا تو آپ ﷺ نے انبیائے کرام علیہم السلام کی امامت فرمائی۔

نماز سے فراغت کے بعد چند انبیائے کرام نے حمدِ الٰہی اور اظہارِ انعامِ الٰہی سے لبریز خطبے فرمائے اور اخیر میں آپ ﷺ نے بھی خطبہ ارشاد فرمایا جس کے الفاظ کچھ یوں ترتیب پائے:

الحمد لله الذى أرسلنى رحمة للعالمين وكافة للناس بشيرا ونذيرا وأنزل على الفرقان فيه تبيان كل شيء وجعل أمتي خير أمة أخرجت للناس وجعل أمتي أمة وسطا وجعل أمتي هم الأولون وهم الآخرون وشرح صدري ووضع عنى وزرى ورفع لى ذكرى وجعلنى فاتحا وخاتما. (٧)

تمام تعریفیں اس ذات کے لیے جس نے مجھے تمام جہان کے لیے رحمت اور تمام لوگوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا اور مجھ پر فرقان (حق و باطل میں خط امتیاز کھینچنے والی کتاب) کا نزول فرمایا جس میں ہر چیز کا روشن بیان ہے اور ظاہر ہونے والی تمام امتوں میں میری امت کو خیر امت، وسط امت اور اولین و آخرین بنایا، میرا سینہ کشادہ، میرا بوجھ ہلکا اور میرا ذکر بلند فرمایا اور مجھے فاتح و خاتم بنا کر بھیجا۔

انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنی امامت سے شرف یاب فرمانے کے بعد آپ ﷺ نے آسمان کی طرف عروج فرمایا اور پہلے، دوسرے، تیسرے، چوتھے، پانچویں، چھٹے اور ساتویں آسمان پر بالترتیب حضرت آدم صفی اللہ، حضرت یحیٰ و عیسیٰ روح اللہ، حضرت یوسف، حضرت ادریس، حضرت ہارون، حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام کو شرف زیارت و شرف ملاقات سے نوازا اور انبیائے علیہم السلام نے آپ ﷺ کا تعریفی کلمات سے استقبال کیا نیز آپ ﷺ نے اس دوران بہت سے مناظرِ قدرت کا مشاہدہ بھی فرمایا۔

پھر آپ ﷺ سدرۃ المنتہیٰ اور قبلۂ ملائکہ بیت المعمور تشریف لے گئے، یہاں بھی عجائباتِ قدرت کا نظارہ فرمایا جس کو کتب احادیث میں ان الفاظ میں محفوظ کیا گیا ہے:

ثُمَّ رُفِعَتْ إِلَيَّ سِدْرَةُ الْمُنْتَهَى فَإِذَا نَبْقُهَا مِثْلُ قِلَالِ هَجَرَ وَإِذَا وَرَقُهَا مِثْلُ آذَانِ الْفِيلَةِ قَالَ هَذِهِ سِدْرَةُ الْمُنْتَهَى وَإِذَا أَرْبَعَةُ أَنْهَارٍ نَهْرَانِ بَاطِنَانِ وَنَهْرَانِ ظَاهِرَانِ فَقُلْتُ مَا هَذَانِ يَا جِبْرِيلُ قَالَ أَمَّا الْبَاطِنَانِ فَنَهْرَانِ فِي الْجَنَّةِ وَأَمَّا الظَّاهِرَانِ فَالنِّيلُ وَالْفُرَاتُ ثُمَّ رُفِعَ لِي الْبَيْتُ الْمَعْمُورُ. (٨)

(آپ ﷺ نے فرمایا) پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ لایا گیا جس کے پھل مقام ہجر کے مٹکوں جیسے (بڑے بڑے) اور پتے ہاتھی کے کانوں جیسے تھے۔ نیز آپ ﷺ نے چار نہریں دو ظاہر اور دو باطن ملاحظہ فرمائیں۔ میں نے فرمایا: اے جبریل! یہ کیا ہیں؟ تو وہ عرض گزار ہوئے: خفیہ نہریں تو یہ جنت کی ہیں اور ظاہری نہریں تو یہ نہرِ نیل اور نہرِ فرات ہیں۔ پھر مجھے بیت المعمور لایا گیا۔

سدرۃ المنتہیٰ اور بیت معمور کے بعد آپ ﷺ نے مقام مستویٰ کا سفر طے فرمایا اور قلم کی چرچراہٹ کی آواز بھی سنی، حدیث پاک میں اس کا ذکر یوں موجود ہے:

(٧) ثُمَّ عُرِجَ بِي حَتَّى ظَهَرْتُ لِمُسْتَوًى أَسْمَعُ فِيهِ صَرِيفَ الْأَقْلَامِ (٩)

پھر مجھے مقام مستویٰ لایا گیا جہاں میں نے قلم کی چرچراہٹ سنی۔

......................(جاری)

حوالے:

(١) صحيح بخارى مكنز المكتبة الشامله ، فضائل انصار مين باب المعراج ، حديث : ٣٨٨٧

(٢) سنن نسائى المكتبة الشامله ،كتاب الصلوٰة ، باب فرض الصلوٰة ، حديث : ٤٤٦

(٣)دلائل النبوة للبيهقى ، جزء : ٢ ، ص : ٣٦٢

(٤) صحيح مسلم مشكو ل المكتبة الشامله،كتاب الفضائل ، باب من فضائل موسىٰ حديث : ٤٣٧٩

(٥) دلائل النبوة للبيهقى ، جزء : ٢ ، ص : ٣٦٢

(٦) سنن نسائى ،كتاب الصلوٰة ، باب فرض الصلوٰة ، حديث : ٤٤٦

(٧) دلائل النبوة للبيهقى ، جزء : ٢ ، ص : ٤٠٠. ٤٠١

(٨) صحيح البخارى مكنز،كتاب مناقب الانصار ، باب المعراج، حديث : ٣٨٨٧

(٩)صحيح بخارى مكنز ، كتاب الصلوٰة ، باب كيف فرضت الصلوات ، حديث : ٣٤٩

انوارِ حیات

دوسری قسط

مرشدِ اعظم ہند احسن العلما مارہروی

مبارک حسین مصباحی

مفتیِ سندھ حضرت مفتی خلیل احمد برکاتی کے صاحب زادے مفتی احمد میاں برکاتی فرماتے ہیں:

”خلیل ملت مفتی محمد خلیل خاں سے مارہرہ شریف میں ہی منطق و صرف و نحو اور ادبِ عالیہ میں کمال حاصل کیا۔ اس تعلیم میں ایک خصوصیت جو کسی اور شاگرد کو نصیب نہ ہوئی، یہ تھی کہ جب حضرت تاج العلما کے ساتھ سید شاہ حسن میاں صاحب تبلیغی دوروں پر گونڈل، پور بندر، ترسائی، اور کاٹھیاواڑ تشریف لے جاتے تھے تو مفتی محمد خلیل خاں بھی درس و تدریس جاری رکھنے کے لیے ہم راہ جاتے تھے اور اس طرح سفر میں بھی درس کا ناغہ نہ ہوتا تھا۔“

(سیدین نمبر، ص:۹۲۵)

حضرت احسن العلما نے متعدد بلند پایہ اساتذہ سے تعلیم حاصل کی اور علومِ دینیہ میں کمال حاصل کیا مگر خانقاہِ برکاتیہ کے سارے علمی اور روحانی خزانے حضرت تاج العلما قدس سرہ نے عطا فرمائے۔ حضرت احسن العلما کی ہم شیرہ کا بیان ہے کہ حضرت تاج العلما فرماتے تھے کہ حسن میاں کی ذہانت کا کیا پوچھتی ہو، میں ایک صفحہ سبق پڑھاتا ہوں وہ اسے فوراً یاد کر لیتے ہیں اور زیادہ سبق کی فرمائش کرتے ہیں۔ اللہ اللہ کیسے استاذ اور کیسے شاگرد تھے۔ درس کی تکمیل کے بعد حضرت تاج العلما نے اپنے دست و قلم سے سند عطا فرمائی۔

(سیدین نمبر، ص:۷۲۱)

خلافت اور سجادگی:

آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت احسن العلما کو ان کے نانا حضرت سید ابوالقاسم محمد اسماعیل حسن شاہ جی میاں علیہ الرحمہ نے خلافت واجازت عطا فرما کر اپنی ذات کا سجادہ نشین منتخب فرما دیا تھا۔ حضرت تاج العلما قدس سرہ نے بڑے لاڈ پیار سے اپنے بھانجے کی تعلیم و تربیت کا اہتمام فرمایا اور ۱۳۶۲ھ میں آپ نے بھی حضرت احسن العلما کو تمام خاندانی سلاسل کی خلافت اور تمام اسناد و اوراد کی اجازت عطا فرمائی اور مکمل خلافت نامہ خاندانی تحریر فرما کر سجادۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ پر اپنے ساتھ بیٹھنے کا اعزاز عطا فرمایا۔ اس موقع پر اہلِ خاندان، مریدین و متوسلین اور اکابر علما و مشائخ بھی جمع تھے۔ حضرت تاج العلما کے دستِ مبارک کا تحریر کردہ خلافت نامہ ذیل میں پڑھیے:

”آج ۲۹؍ محرم ۱۳۶۲ھ جمعۂ مبارکہ بعد نمازِ جمعہ حویلی سجادہ نشینی واقع خانقاہ عالیہ برکاتیہ میں میں نے یہ تحریر لکھی اور خود بھی برخوردار نور الابصار سید حافظ مصطفیٰ حیدر حسن میاں سلمہ اللہ تعالیٰ کو جملہ سلاسل خاندانی قدیمہ و جدیدہ، قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ و نقش بندیہ و بدیعیہ مداریہ و منامیہ و علویہ و اویسیہ جلیلیہ و برکاتیہ و منوریہ معمریہ، رزاقیہ، حمزعیہ، آلِ رسولیہ کی نیز جملہ اعمال و اوراد و اذکار و اشغال و اوفاق و مصافحات و احادیث کریمہ و قرآن عظیم و دلائل الخیرات و حزب البحر و حرزِ یمانی و دیگر ادعیۂ خاندان کی، اُن سب طریقوں سے جو فقیر حقیر کو اپنے حضرت مرشد برحق امام المرشدین قبلہ و کعبہ والد ماجد اور اپنے حضرت نانا صاحب نور العارفین قبلہ سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب اور حضرت امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں صاحب قدست اسرارہم العزیزہ سے بفضلہ تعالیٰ حاصل ہیں، اجازتِ عامہ و خلافت عامہ و خاصہ سے اور ان سب سلاسل میں بیعت لینے کا مجاز و ماذون کیا، بشرائط المعلومۃ عند الائمۃ۔ اللہ تعالیٰ مبارک و مسعود فرمائے اور برخوردار موصوف کو اپنے اکابر کرام قدست اسرارہم کے برکات و فیوض کا حامل وارث ظاہری و باطنی اور ان کے فیوض و انوار پھیلانے والا بنائے۔ آمین بجاہ النبی الامین علیہ الصلاۃ و السلام و علیٰ اٰلہ و اصحابہ و علینا معھم و بھم برحمتك یا ارحم الراحمین.

لازم ہے کہ اللہ و رسول جل جلالہ و ﷺ کی اطاعت و محبت جان

ودل، قول وعمل، اعضا وجوارح سے حتی الوسع بطریقِ اکمل دائم بجالانے میں ساعی وداعی رہیں۔ نیتِ خالصہ پر استقامت اور دشمنانِ دین ومخالفانِ شرع متین سے حتی الوسع دور اور ان کے مراتب کے مطابق ان سے بے زار ونفور رہیں۔ جملہ کفار ومشرکین ومرتدین ومبتدعین بالخصوص وہابیہ، ملاعنہ، دیوبندیہ ونجدیہ نیچریہ، زنادقہ غرض جملہ فرقِ باطلہ پر ردوطرد کو اپنا شعار بنائیں اور اپنے ظاہر وباطن کو شریعتِ مطہرہ کے مطابق آراستہ اور آدابِ طریقت کے مطابق پیراستہ رکھیں اور عقائد قدیم مذہب مہذب اہل سنت پر جیسا کہ اس خاندان عالی کے اکابر کرام قدست اسرارہم کی کتب وتحریرات مثلاً سبع سنابل شریف حضرت اقدس میرے جداعلیٰ میر عبدالواحد بلگرامی و بہجۃ الاسرار شریف مشتمل بہ ارشادات آقاے نعمت غوثِ اعظم سیدی ومولائی عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہما و دیگر تصانیف حضرات ائمۂ دین ومشائخِ معتبرین اہل سنت وتصانیف اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد دین وملت حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب وعقائدنامہ منظومہ حضرت اخ معظم سید شاہ غلام محی الدین فقیرعالم ومفاوضات طیبہ وشوکتِ اسلام وغیرہ تصانیف حضرت مرشدِ برحق قدوۃ المتشددین علی اعداء رب العالمین حضرت الحاج الحافظ القاری السید الشاہ محمد اسماعیل حسن قدس سرہم العزیز وخطبۂ صدارت جماعت انصار اسلام وغلبہ فئۂ قلیلہ الٰہیہ وغیرہ تحریرات فقیر حقیر سے ظاہر وروشن ہیں، پوری مضبوطی اور یک سوئی سے قائم رہیں اور اسی پر اپنی اتباع والوں ومسترشدین کو قائم رکھنے میں حتی الوسع ساعی رہیں۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی خیر خلقه سیدنا محمد و آله و اصحابه اجمعین و علینا معهم و بهم ولهم برحمتك یا ارحم الراحمین.

فقیر اولادِ رسول محمد میاں قادری برکاتی ابوالقاسمی غفرلہ بقلمہ

(اصل تحریر خانقاہ برکاتیہ کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔)

محضر نامہ سجادگی:

ممدوحِ اعلیٰ حضرت تاج العلما علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے والد ماجد حضرت سید ابوالقاسم شاہ جی میاں علیہ الرحمہ کے تجویز کردہ سجادہ نشین یعنی حضور احسن العلما کو اہل خاندان اور اکابر علما کی موجودگی میں سجادہ عالیہ قادریہ برکاتیہ پر اپنے ساتھ اپنے ہاتھوں سے بٹھایا اور اپنے دست وقلم سے محضر سجادگی مرتب کیا۔ جس کی نقل مندرجہ ذیل ہے:

الحمد للہ و کفیٰ و سلام علی عبادہ الذین اصطفی و لا سیما علی سیدنا و مولانا محمد ن المصطفیٰ و اٰله و صحبه والخلفاء والغوث الاعظم والسادات الاکارم الشرفاء. اما بعد فقیر اپنے جملہ برادران دینی ویقینی کو مطلع وخبردار کرتا ہے کہ حضرت سید العارفین سید الواصلین قدوۃ المتشددین علی اعداء رب العالمین اسوۃ المتصلبین فی الدین سیدی وسندی ومرشدی ووالدی حضرت عظیم البرکت مولانا مولوی حافظ حاجی شاہ ابوالقاسم محمد اسماعیل حسن میاں صاحب الملقب بہ شاہ جی قادری برکاتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تاج دار مسند سجادہ غوثیہ برکاتیہ آل احمدیہ سرکارِ کلاں مارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ نے اپنی مبارک حیاتِ ظاہری میں اپنے وصال سے کئی روز قبل بحالت صحت وہوش وحواس ظاہری قرۃ بصری وفلذۃ کبدی حافظ سید مصطفیٰ حیدر حسن میاں سلمہ ربہ تعالیٰ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ یہ میری ذات کے سجادہ نشیں ہیں اور فقیر سے متعلق ارشاد فرمایا تھا کہ یہ میری نسل کے سجادہ نشیں ہیں۔ اب چوں کہ عزیز موصوف سلمہ ربہ تعالیٰ بفضلہ تعالیٰ عاقل وبالغ ہیں اور آثار رشد وصلاح وفلاح انشاء اللہ تعالیٰ وبکرمہ عم نوالہ اون سے ظاہر وواضح ہیں۔

لہٰذا آج شب پنج شنبہ ۲۲ر صفر ۱۳۶۳ھ کو عزیزی حافظ سید مصطفیٰ حیدر حسن میاں قادری قاسمی برکاتی سلمہ اللہ تعالیٰ کو حضرت سیدی ومرشدی ووالدی اقدس حضرت مولانا الشاہ ابوالقاسم محمد اسماعیل حسن میاں صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خرقہ مبارکہ میں نے پہنایا اور سجادہ عالیہ غوثیہ برکاتیہ آل احمدیہ مارہرہ مطہرہ پر بٹھایا اور حضرت سیدی ومرشدی ووالدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اور خود اپنا سجادہ نشین بنایا۔ آج سے عزیز موصوف سلمہ ربہ میری طرح حضرت سیدی ومرشدی ووالدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اور خود میرے سجادہ نشیں ہیں اور حضرت سیدی ومرشدی ووالدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عزیز موصوف سلمہ اللہ تعالیٰ کو بیعت واجازت وخلافت سلسلہ عالیہ قادریہ ودیگر سلاسلِ برکاتیہ سے حاصل ہے۔ نیز اس فقیر نے بھی اون کو اپنے جملہ سلاسل عالیہ قادریہ وچشتیہ وسہروردیہ ونقش بندیہ وبدیعیہ مداریہ جدیدہ وقدیمہ وجملہ اوفاق واعمال واوراد واذکار ودیگر برکات حضرت اکابر کرام برکاتیہ قدست اسرارہم کی اجازت وخلافت عامہ وخاصہ اب سے پیش تر دے دی اور اس کا وثیقہ الگ سے تحریر کر کے دے دیا ہے۔ اللہ عزوجل عزیزی الممدوح سلمہ ربہ تعالیٰ کو سجادہ علیہ غوثیہ احمدیہ برکاتیہ کی بہترین خدمتیں بجا لانے کی توفیق عطا فرمائے اور حضرات مشائخِ کرام سلسلہ قدسیہ قادریہ برکاتیہ آل احمدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فیوض وبرکات کے دریا ان سے جاری فرمائے

اور ظاہر و باطن، صورت و سیرت، عقائد و اعمال میں ان حضرات کرام قدست اسرارہم کا کامل اور سچا مظہر بنائے۔ آمین بحرمة حبیبه الجواد و آله الامجاد و علیه و علیهم الصلاة و السلام الی یوم التناد

فقیر اولادِ رسول محمد میاں قادری برکاتی قاسمی سجادہ غوثیہ برکاتیہ آل احمدیہ قاسمیہ مارہرہ مطہرہ، بقلم خود

دستخط کنندگان:

فقیر آل مصطفیٰ سید میاں قادری قاسمی نوری، فقیر ابو الفتح عبید الرضا، محمد حشمت علی خاں رضوی و قاسمی غفرلہ، فقیر ابوالمظفر محب رضا محمد محبوب علی قادری برکاتی، عبد الغفار کان پوری، سید مشتاق حسین غفرلہ، محمد شفیع کان پوری، فقیر قادری غفرلہ ولی حسنی لکھنوی، فقیر فتح علی قادری برکاتی، (ایک دستخط ہندی میں بھی ہیں جو پڑھے نہیں جاتے)، احتشام الدین بدایوں، محمد سمیع خاں قادری، لئیق اللہ قادری، ایوب علی قادری بقلم خود، بلرای، محمد عمر قادری عفی عنہ، اسماعیل حاجی عبد اللہ بٹاٹے والے، ممبئی، حاجی ابراہیم حاجی دادا، سلیمان بن آدم جی یعقوب گونڈل بقلم خود، عبد الغفار دادا بھائی ساکن گونڈل بقلم خود، العبد محمد خلیل القادری عفی عنہ، (مولانا مارہروی)، حفیظ اللہ قادری عفی عنہ، محمد عبد السلام رضوی فتح پوری، محمد عثمان بیگ قادری کان پوری، خواجہ محمد عمر صالح محمد قادری برکاتی گونڈل کاٹھیاواڑ۔

خانقاہ برکاتیہ کے اوقاف ومناصب کی تولیت:

حضرت تاج العلمانے ۱۹۵۰ء میں سیکڑوں روپے کے قیمتی اسٹامپ پیپر پر حضرت احسن العلما کو اپنی تمام جائداد کا متولی اور اپنے تمام عہدوں اور منصبوں کی جانشینی تفویض فرمائی جو ان کی حیاتِ مقدسہ میں ان کے پاس تھے۔

وقف نامے کی یہ قانونی دستاویز بڑے سائز کے پچیس صفحات پر محیط ہے، جسے قانونی فیس ادا کر کے مکمل ضوابط کے ساتھ رجسٹرڈ کرایا گیا۔ رجسٹرڈ ۱۹۵۰ء میں ہوا جب کہ حضرت تاج العلما کا وصال فروری ۱۹۵۶ء میں ہوا۔

حضرت تاج العلما علیہ الرحمۃ کے چہلم کے موقع پر حضرت سید العلما علیہ الرحمہ نے ان تمام دستاویزات کی روشنی میں ایک محضرِ سجادگی ترتیب دیا، جس پر اس وقت کے اہل خاندان اور علمائے کرام کے دستخط بوقت چہلم حضرت تاج العلما علیہ الرحمۃ والرضوان ہوئے۔

خاندانی رسم و رواج کے مطابق اسی وقت جانشین سجادہ عالیہ پر متمکن ہوتا ہے۔ اس محضرِ سجادگی میں حضرت احسن العلما کے دیگر حقوق و اختیارات کا بھی اجمالاً ذکر کر دیا گیا ہے۔

اس محضرِ سجادگی کی عبارت ذیل میں ملاحظہ فرمائیے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم و علی آلہ و صحبہ

امابعد ہم دستخط کنندگان ذیل تصدیق کرتے ہیں کہ حضرت تاج العلما سراج العرفا مولانا مولوی مفتی حافظ اولادِ رسول فخر العالم سید شاہ محمد میاں قادری برکاتی سجادہ نشیں و متولی درگاہ برکاتیہ قدس سرہ العزیز نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں ہی اپنے ہم شیر زادہ حضرت مولانا مولوی حافظ قاری مفتی سید شاہ مصطفےٰ حیدر حسن میاں قادری برکاتی سلمہ اللہ تعالیٰ و بارک فی علمہ و عمرہ و دینہ کو اپنا جانشین و سجادہ نشین منتخب فرما کر مفصل خلافت نامہ تحریر فرمادیا تھا اور اپنے بعد طاس امر جانشینی کا حافظ سید شاہ حسن میاں صاحب کے لیے شرعاً و قانوناً اعلان عام و تام بھی فرمادیا تھا۔ چناں چہ حضرت سیدنا تاج العلما قدس سرہ العزیز کے وصال شریف کے بعد حسب دستور قدیم خاندانِ عالیہ برکاتیہ چہلم شریف کے دن بعد قل شریف، حافظ سید شاہ حسن میاں صاحب قادری کو ایک کثیر در کثیر مجمع اہالی خاندان و قرابت نیز خلفا و مریدین سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ و اعیان شرفائے شہر و بیرون جات ہند و پاکستان شنبہ تین شعبان المعظم ۱۳۷۵ھ کو مطابق ۱۷/ مارچ ۱۹۵۶ء وقت عصر جملہ ملبوسات اکابر کرام خانوادہ برکاتیہ قدست اسرارہم از قسم عمامہ و کلاہ و خرقہ جات و سیلی و تسابیح سے ملبوس ہو کر اپنے حضرت خالِ محترم سیدی تاج العلما قدس سرہ العزیز کی جگہ درگاہ و خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ میں سجادہ بزرگان عظام پر مسند نشیں ہو کر متولی و سجادہ نشین درگاہ برکاتیہ و متولی و خطیب جامع مسجد برکاتی سرکارِ کلاں قرار دیے گئے اور خلفا و مریدین و شرفائے شہر و بیرون جات نے نذور گزرائیں اور سلسلۂ خلافت و بیعت کا اجرا عمل میں آیا۔ ہمارے اس بیان پر اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گواہ ہیں۔ و کفی باللہ شهیدًا و السلام۔

دستخط کنندگان کے اسمائے گرامی ثبت ہیں جو اصل تحریر میں موجود و محفوظ ہیں۔

چند ماہ کے بعد وقف بورڈ نے اپنے پریسیڈنٹ کے حکم سے آرڈر مورخہ ۲۸/ جولائی ۱۹۵۶ء حضرت سید احسن العلما کے دنیاوی مناصب

کی توثیق وتصدیق کرکے ان کے حقوق واختیارات کوتسلیم کیا۔

سینٹرل گورنمنٹ نے اپنے احکامات ۱۹۵۷ء کے ذریعہ حضرت احسن العلما کو بہ حیثیت سجادہ نشیں خانقاہِ برکاتیہ سرکاری خزانے سے قدیم وقت سے جاری پنشن وصول کرنے کا اختیار تسلیم کیا۔ اپنی زندگی کے آخری برسوں تک حضرت احسن العلما ہی یہ پنشن سرکارِ وقت سے وصول فرماتے رہے، جو زمانۂ قدیم کے بادشاہانِ وقت سے سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ کو ملتی رہی ہے۔ بقول حضرت سید محمد اشرف برکاتی ”حضرت احسن العلما علیہ الرحمۃ والرضوان کے بعد اب یہ پنشن حضرت امین ملت ڈاکٹر سید شاہ محمد امین میاں قادری مدظلہ سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ وصول کرتے ہیں اور سینٹرل گورنمنٹ نے امین ملت کو ہی اس پنشن کی وصولی کا حق دار تسلیم کیا ہے۔“(سیدین نمبر، ص:۳۳۷)

رسم سجادگی کی روداد صاحبِ سجادہ کے قلم سے:

”میری رسم سجادگی کا آغاز حسب معمول قدیم خاندانی (بروز شنبہ ۳؍ شعبان المعظم ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۷؍ مارچ ۱۹۵۷ء بوقت عصر) اس طرح ہوا کہ جملہ مہمانانِ بیرون جات واہالیانِ شہر کا مجمع درگاہ معلی میں زیر سائبان ٹین جاکر فرش پر بیٹھا اور حافظ محمد جان صاحب وغیرہ نے نعت و منقبت پڑھنا شروع کی، اور ایک دھوم گولہ جو صرف اعلان کرنے کے لیے تیار کرایا گیا تھا، داغا گیا۔ اس کے بعد میں مع حضرت نھو بھائی وحسین میاں سلمھم و آل حبیب چچا و زکریا دادا و ذکی حیدر سلمھم اپنے یہاں کے ملبوسات بزرگان جو میری ذاتی اور واحد ملکیت ہیں، جن میں جبہ مبارکہ حضرت جد اعلیٰ سیدنا شاہ آلِ احمد اچھے میاں قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز رنگ کتھئی اور جبہ مبارکہ حضور جد اعلیٰ سید شاہ اولاد رسول قدس سرہ العزیز اور جبہ مبارکہ حضرت سیدی و مرشدی ابوالقاسم شاہ جی میاں قدس اللہ سرہ العزیز علی الترتیب یہ دو جبّے رنگ صندلی اور سیاہ نیز عمامہ مبارکہ حضرت جد اعلیٰ سید شاہ عبد الجلیل قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز نیز تین کلاہ ہائے مبارکہ جن میں ایک حضور صاحب البرکات، دوسری حضور اچھے میاں، تیسری حضرت سید شاہ اولاد رسول قدس اللہ تعالیٰ باسرار ہم العزیزہ کی ہے۔ نیز کمر کی سیلی حضور جد اعلیٰ سید شاہ حمزہ قدس سرہ نیز جبہ مبارکہ رنگ سیاہ حضرت با مرحوم و مغفور علیہ الرحمۃ نیز رومال مبارک چوخانہ والا حضرت سیدی و مرشدی قدس سرہ نیز جا نماز بھی حضرت ممدوح قدس سرہ اور ایک عدد منکا عقیق جس کا ذکر ابھی اوپر گزرا یہ سب چیزیں نیز الماری آثار شریف میں سے تبرکات کی گٹھری نکال کر وہ گٹھری اور اپنی ذاتی گٹھری دونوں کو اپنے سر پر رکھ کر روانۂ درگاہِ معلی ہوا۔

میرے ساتھ حویلی سجادگی سے جانے والے اعزہ اہل سنت وہ تھے جن کا ذکر ان کے اسما کی تصریح کے ساتھ اوپر مذکور ہوا۔ نیز حضرت حسام اہل سنت، مولانا سید شاہ عبد القادر صاحب قادری، حضرت مولانا سید شاہ عبید الرحمین صاحب قادری حسنی، حضرت خلیل العلما مولانا مولوی مفتی محمد خلیل احمد خاں صاحب قادری بجنوری، مولوی قاضی عبد الشکور میاں صاحب، سید عبد المجید میاں صاحب، برخوردار سید محمد امین سلمھم جملہ خلفا حضرت اقدس مرحوم نیز حضرت سید شاہ قطب الدین احمد صاحب سجادہ نشین آستانہ عالیہ کالپی شریف ضلع جالون وصاحب زادہ سید محمد عظیم صاحب چشتی صاحب زادۂ درگاہ شریف اجمیر مقدس نیز ان کے صاحب زادے حکیم سید محمد احمد چشتی نیز خلیل العلما استاذ محترم مولانا مولوی مفتی محمد خلیل خاں صاحب قادری برکاتی ابو القاسمی زید مجدہم مارہروی ساکن حال حیدر آباد سندھ جو سب اس وقت کے مخصوص لباس ملاگیری کرتوں اور ٹوپیوں میں ملبوس تھے۔ یہ سب بھی میرے ساتھ مع ملبوسات کی گٹھریوں کے حاضر درگاہِ معلیٰ ہوئے اور وہاں پہنچ کر میں نے ہر دو گٹھریاں کپڑوں اور دوسرے تبرکات کی حسب عمل در آمد قدیم خاندانی حضرت با مرحوم و مغفور قدس سرہ العزیز کے مزار اقدس پر سرہانے کی جانب برابر برابر رکھ دیں اور مواجہ میں حاضر ہو کر فاتحہ پڑھا اور وہیں بیٹھ گیا۔ میرے ساتھ جتنے لوگ آئے تھے وہ بھی سب وہیں بیٹھ گئے اور میں نے نعیم اللہ خادم درگاہ شریف کو بلا کر کہا کہ وہ بھائی صاحب کو بلا کر درگاہ شریف میں لائیں تاکہ وہ بھی میری رسم سجادگی میں شریک ہوں، چناں چہ تھوڑی دیر بعد بھائی صاحب بھی ملاگیری کرتے، ملاگیری رنگ کے جبے اور سیاہ عمامہ میں ملبوس اس طرح درگاہ، معلی میں آئے کہ آگے آگے نعیم اللہ خادم جو خود بھی ملاگیری رنگ کی میری طرف سے دی ہوئی ٹوپی اوڑھے تھے۔ اسمِ ذات ’اللہ‘ کہتے ہوئے آرہے تھے۔ پھر میں مع جملہ اعزہ اہل سنت اور خلفا مشایخ نیز دونوں گٹھریاں ملبوسات وغیرہ کی لیے ہوئے اندرون روضہ حضور صاحب البرکات قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز حاضر ہوا اور روضۂ مبارک میں باہر کی جانب سے جتنے داخلہ کے دروازے ہیں وہ سب بند کر دیے گئے۔ جملہ خلفا و علمائے کرام کچھ بالین مزار حضور صاحب البرکات قدس سرہ کچھ پائیں میں بیٹھ گئے اور درگاہِ معلی کے احاطہ سے باہر دوسرا اطلاعی گولہ داغا گیا۔......... (جاری)

خم خانۂ سیادت

بانیِ جامعہ صدیقیہ سوجا شریف

حضرت علامہ پیر طریقت سید باپو غلام حسین شاہ جیلانی نقش بندی قادری

اور ان کا علمی و روحانی خاندان

مولانا عبدالرحیم اکبری

شمع کی طرح جئیں بزم گہِ عالم میں
خود جلیں دیدۂ اغیار کو بینا کر دیں

خاندانی پس منظر: حضور غوثِ اعظم، پیرانِ پیر، دستگیر بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ولادت:۴۷۰ھ/۱۰۷۵ء۔ وصال:۵۶۱ھ) آپ کے ستائیسویں جدِ امجد ہیں۔ اور آپ عبد الرزاقی، جیلانی، حسنی، حسینی سید ہیں۔ آپ کے سولھویں جدِ کریم حضرت تاج العارفین، تاج محمود سرخ پوش عرف سرخ شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م:۱۹/ ذی الحجہ ۷۱۹ھ) سب سے پہلے بغداد شریف سے ہجرت کر کے ارشاد و ہدایت کے لیے مدینۃ الاولیا بدایوں شریف (ہند) تشریف لائے۔ سوتھا محلہ بدایوں میں آج بھی ان کا مزار شریف مرجعِ خلائق اور مشہور و معروف ہے۔ حضرت سرخ شہید علیہ الرحمۃ والرضوان کے فرزند ارجمند میراں محی الدین بہاول شیر قلندر علیہ الرحمہ (م:۱۸/ شوال ۹۷۳ھ) نے تقریباً پونے تین سو سال عمر پائی۔ اس خاندان پاک میں اتنی عمر کا کوئی نہیں ہوا ہے۔ آپ نے چلے بارہ بارہ سال کے کئی اور ستر سال کا ایک آخری چلہ کاٹا۔ بعدۂ پنجاب، راوی ندی کے کنارے دریا کو ہٹا کر شہر آباد کیا، جسے آج حجرہ شاہ مقیم کہا جاتا ہے۔ آج تک آپ کی اولاد وہاں اور آس پاس کے شہروں میں آباد ہے، یہ ساداتِ کرام اچوی، حجروی سادات قادریہ، جیلانیہ کہلاتے ہیں، حضرت بہاول شیر قلندر علیہ الرحمہ کی پاک خانقاہ شریف کے نویں سجادہ نشیں حضرت قطب الدین امام المعروف والیِ قطبِ امام علیہ الرحمہ (متوفی:۱۲۵۰ھ) ہوئے جن کا مزارِ پاک کوٹ بیگم، ضلع شیخو پورہ (پنجاب) پاکستان میں ہے۔ ان کے سترہ فرزندوں میں سے دوسرے نمبر کے فرزند ارجمند سراج العارفین ابو الاحسان سید حاجی نعمت اللہ شاہ جیلانی علیہ الرحمہ (۱۲/ ربیع الاول ۱۲۸۶ھ/مطابق ۱۸۶۹ء بکرمی ۱۹۲۵ء سونت) تھے جن کا مزار شریف پکلانہ نزد بہاول ور پنجاب میں ہے۔ ان کے اور بانیِ جامعہ صدیقیہ سوجا شریف (مد ظلہ العالی) کے مابین صرف تین واسطے ہیں اور ان کے تینوں فرزندوں (کلاں سید محمد شاہ) سید عبد اللہ شاہ (۳) اور سب سے خورد حضرت سید احمد شاہ نے پکلانہ پنجاب سے راجستھان و گجرات کی طرف ہجرت کی اور منجھلے فرزند اثنائے راہ بھائیوں سے جدا ہو کر حرمین شریفین کو گئے اور جدّہ میں وصال ہوا۔ دار یس بندر (جدہ شریف) میں ہی مزار شریف ہے۔ اور آپ کے دو فرزند حضرت سید احمد شاہ و سید محمد شاہ جیلانی قادری علیہما الرحمہ راجستھان میں نگر ضلع باڑ میر میں بارہ سال رہے۔ پھر مختلف جگہوں کو شرف بخشتے ہوئے گاگودر تشریف لائے۔ ۳۵/ سال یہاں (علاقہ کچھ واگڑ) میں رہے۔ ایامِ گاگودر میں اس خاندانِ پاک کے دینی، روحانی دورے مریدین میں جاری رہے۔ گجرات، راجستھان میں حلقۂ ارادت پھیلا ہوا تھا۔ قطب الاقطاب، غوثِ زماں، پیر روشن ضمیر سیدنا مرشدنا سید احمد شاہ جیلانی قادری اچوی حجروی علیہ الرحمہ اسی دوران مریدین میں دورے کرتے ہوئے شہر باڑ میر میں ۱۲/ ربیع الاول ۱۲۹۹ھ کو وصال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کا مزار پر انوار اور درگاہ پاک بنام تکیہ باڑ میر میں آج بھی مشہور و معروف ہے اور ۱۲/ ربیع الاول شریف کو آپ کی تاریخ عرس ہے جس میں بڑے تزک و اہتمام سے عرس مبارک منعقد کیا جاتا ہے۔ آپ کے دو فرزند یعنی فرزند کلاں، قطبِ دوراں، قدوۂ عارفاں، زبدۂ عالماں حضور پیر روشن ضمیر، سیدنا و مرشدنا پیر سید عبد الشکور شاہ جیلانی علیہ الرحمہ (۹/ ذی الحجہ ۱۳۶۳ھ مطابق ۲۴/ نومبر ۱۹۴۴ء شبِ جمعہ و عید الاضحیٰ) جدِ امجد بانیِ جامعہ صدیقیہ سوجا شریف اور دوسرے فرزند خورد حضور آقا و مولا حضرت پیر سید قطب عالم شاہ جیلانی اول علیہ الرحمہ (م: ۹/ ربیع الاول ۱۳۱۸ھ شب یک شنبہ) دونوں اپنے عمِ محترم، قطب الاقطاب، غوثِ زماں، مرشدِ دوراں، سیدنا و مرشدنا، پیر روشن ضمیر، پیر سید حاجی محمد شاہ جیلانی اول علیہ الرحمۃ والرضوان (م:۲۸/ شعبان المعظم ۱۳۱۸ھ بروز خمیس) کے ساتھ گاگودر سے لونی شریف ہجرت کر کے گئے۔

وہاں شادی کرنے کے بعد لا ولد عالمِ شباب میں (حضرت پیر سید قطب عالم شاہ اول نے) وصال فرمایا۔ خانوادۂ عالیہ لونویہ جو آج موجود ہے، وہ اپنے دادا حضرت پیر سید محمد شاہ اول اور ان کے بھتیجے حضور سید دادا عبد الشکور شاہ جیلانی کی اولاد ہے۔ ان دو بزرگوں کی اولاد کو لونی شریف کے پیرانِ عظام کہا جاتا ہے، وہ پنجاب سے ہجرت کرکے آنے والے دو بزرگ دادا پیر سید محمد شاہ اول اور پیر سید احمد شاہ اول سے مشہور ہیں۔ اول الذکر بزرگ عمر میں بڑے اور ثانی الذکر چھوٹے تھے، مگر وصال پہلے ہوا۔

حضرت پیر سید محمد شاہ اول جیلانی کے چھ فرزند تھے، مگر آج صرف پانچ کی اولاد موجود ہے۔ اللہ جل مجدہ ان کا سایہ ہم پر قائم رکھے اور حضرت پیر سید احمد شاہ جیلانی علیہ الرحمۃ کے دو فرزند تھے، مگر اولاد صرف ایک باقی رہی۔ مولا تعالیٰ ان کے فیوضات وبرکات سے امت مسلمہ کو مستفیض فرماتا رہے اور ان کے آٹھ چمکتے ستاروں کے نام یہ ہیں:

اولاد حضرت پیر سید دادا ابو صابر محمد شاہ عرف محمود شاہ اول جیلانی قادری علیہ الرحمۃ والرضوان: (مزار لونی شریف)

(۱)- قطب مدار، غوث اقطار، مرشد اولیا و اخیار، حافظ القرآن حضرت پیر سید ابو صالح نعمت اللہ حاجی علی اکبر شاہ جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان (م: ۱۳؍ رمضان المبارک ۱۳۴۳ھ/۱۶؍ اپریل ۱۹۲۴ء) مشہور بہ "روضے والے بادشاہ" مزار پر انوار لونی شریف (گجرات)

(۲)- مرشدِ زماں، سیادت پناہ، عالمِ باعمل، نائبِ محبوب داور، حضرت پیر سید ابو الحیا عبد الستار شاہ جیلانی علیہ الرحمہ مزار پاک (کوڑا، راج)

(۳)- مرشدِ ملت، ہادی امت حضرت پیر سید ابوالفتح علی اصغر شاہ جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان مزار پاک آڈیسر (کچھ، گجرات)

(۴)- رہبرِ شریعت، گوہرِ ولایت حضرت پیر سید ابو الوفا عبد الغفور شاہ عرف نانا میاں جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان، مزار پاک ملا کا تیار شریف۔

(۵)- ہادیِ امت، درجِ سیادت حضرت پیر سید ابوالحامد عبد الرزاق شاہ جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان، مزار پاک، کراچی (سندھ)

(۶)- رہ نمائے طریقت، سراج الامت، حضرت پیر سید ابو ناصر غوث محمد شاہ جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان، مزار پاک لونی شریف، کچھ۔

اولاد حضرت پیر سید دادا احمد شاہ اول جیلانی قادری علیہ الرحمۃ والرضوان: (م:۱۲۹۹ھ۔ مزار پاک، باڑ میر شہر)

(۱)- قطبِ دوراں، غوثِ زماں، قدوۃ العارفین، سیدنا و مرشدنا پیر سید عبد الشکور شاہ جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان، م:۱۳۶۳ھ، مزار لونی شریف۔

(۲)- سردارِ امت، سراجِ ملت حضرت پیر سید قطبِ عالم شاہ جیلانی اول علیہ الرحمۃ والرضوان۔ (۱۳۱۸ھ) مزارِ پاک: لونی شریف۔

ان آٹھ روشن ستاروں میں سے دو عظیم ہستیاں آفتاب و ماہتاب کی حیثیت کی حامل ہیں۔ ایک حضور دادا محمد شاہ اول کے فرزند کلاں حضور پیر سید حاجی علی اکبر شاہ عرف روضے والے بادشاہ جیلانی (م:۱۳۴۳ھ) علیہ الرحمہ اور دوسرے حضور دادا پیر سید احمد شاہ جیلانی (م:۱۲۹۹ھ) کے فرزند کلاں حضور پیر سید عبد الشکور شاہ جیلانی (م:۱۳۶۳ھ) علیہ الرحمہ ان دونوں بزرگوں کو اور ان کے بھائیوں کو ان کے بڑوں کا حکم ہوا کہ اپنا مرشد تلاش کرو اور اپنا حصہ اور امانت حاصل کرو۔ آبائی ورثہ تمھارا ہی ہے، مگر اب اس چشمے سے امتِ مسلمہ سیراب ہوگی، اسے تمھیں ڈھونڈ نکالنا ہے۔ چناں چہ روضے والے بادشاہ چوں کہ آٹھوں میں بڑے تھے، تلاشِ مرشد میں چھ ماہ سرگرداں رہے۔ ہند، سندھ کی کوئی خانقاہ نہ تھی جہاں آپ نہ گئے، آخر کار ملا کا تیار شریف (حیدر آباد، سندھ) میں گوہرِ مقصود ہاتھ آیا۔ اور ہادیِ زماں قطب الاقطاب، غوث الاغواث مجدد الملت والدین، حضور سیدنا و مرشدنا شاہ صدیق اللہ نقش بندی مجددی احمدی مظہری علیہ الرحمۃ والرضوان (۳؍ ذی قعدہ ۱۳۱۶ھ) سے بیعت ہوئے اور چاروں سلاسل کی اجازت وخلافت سے نوازے گئے۔ حتیٰ کہ قطبِ مدار اور غوثیت کے مقام پر فائز ہوئے۔ آپ جب واپ تشریف لائے تو حضور زبدۃ العارفین، عمدۃ الواصلین، قدوۂ اماجد واکابر، سیدنا و مرشدنا پیر روشن ضمیر حضرت سید عبد الشکور شاہ جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان ملا کا تیار تشریف لے گئے اور بیعت ہو کر سلاسلِ اربعہ کی اجازت و اسناد اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔ مولا تعالیٰ جل جلالہ نے آپ کو وہ صلاحیتیں واستعدادیں عطا فرمائی تھیں کہ مرشد زادہ، صاحبِ سجادہ، قبلۂ عارفاں وکعبۂ واصلاں سیدنا و مرشدنا

الشاہ عبد الرحیم المعروف بہ قبے دھنی بادشاہ (م: ۳۰؍ صفر ۱۳۵۹ھ) ابن حضرت الشاہ صدیق اللہ نے بھی بے انتہا کمالات وفیوضات اور مقامات سے نوازا۔ ان نوازشات کو دیکھ کر حضور قطب الاقطاب، قطبِ مدار سیدنا و مرشدنا حضرت پیر سید حاجی علی اکبر شاہ جیلانی علیہ الرحمہ نے بھی آپ کو سلاسل اربعہ کی اجازت و اسناد اور فیوضات و برکات سے مالا مال فرمایا۔ اور دوسرے چھ بھائیوں نے اسی پاک دروازۂ ملاکاتیار شریف سے حضور صاحبِ سجادہ قبلۂ عارفاں، کعبۂ واصلاں سیدنا و مرشدنا الشاہ عبد الرحیم عرف قبے دھنی بادشاہ سے بیعت ہو کر اجازت و خلافت حاصل کی جن کے نام گزر چکے۔ خاندان کے دوسرے نمبر کے پورے طبقہ نے جو ان بزرگوں کی اولاد ہیں، اسی بزرگ حضرت قبے دھنی بادشاہ علیہ الرحمۃ سے بیعت ہو کر اجازت و خلافت حاصل کی جن کے نام درج ذیل ہیں:

(۱)- پیرِ طریقت رہبرِ شریعت، ہادیِ اکمل پیر روشن ضمیر سیدنا و مرشدنا حضرت علامہ الحاج سید غلام رسول شاہ جیلانی عرف باوا میاں بن حاجی علی اکبر شاہ جیلانی نقش بندی علیہ الرحمہ۔

(۲)- غازیِ ملت، ہادیِ امت، غوثِ زماں، قطبِ دوراں، سیدنا و مرشدنا پیر سید حاجی محمود شاہ ثانی جیلانی (۲۲؍ محرم الحرام ۱۳۸۶ھ) بن پیر سید حاجی علی اکبر شاہ جیلانی نقش بندی مزار پاک لونی شریف (کچھ، گجرات)

(۳)- عارفِ حقیقت، عاملِ شریعت، رہبرِ معرفت، قطب و والی و غوثِ تھر، سیدنا و مرشدنا پیر سید قطب عالم شاہ جیلانی عرف دادا میاں بن حضرت پیر سید عبد الشکور شاہ جیلانی نقش بندی علیہ الرحمۃ مزار پاک سوجا شریف (باڑمیر، راجستھان)

(۴)- سیادت پناہ، معرفت آگاہ پیر سید صالح محمد شاہ بن پیر سید عبد الشکور شاہ جیلانی نقش بندی مزار پاک لونی شریف، کچھ، گجرات۔

(۵)- گلِ گلزار ولایت، مظہرِ سیادت، حضرت پیر سید احمد شاہ جیلانی عرف مقیم شاہ بن پیر سید عبد الشکور شاہ جیلانی نقش بندی مزارِ پاک (کنری پاک)

(۶)- گوہرِ درجِ ولایت، جوہرِ معدنِ کرامت، حضرت پیر سید نعمت اللہ شاہ عرف حاجی شاہ جیلانی بن پیر سید عبد الشکور شاہ جیلانی (مزار پر انوار، کنری سندھ)

(۷)- مخزنِ کرامت، معدنِ جلالت و عظمت حضرت پیر سید شاہ محمد شاہ جیلانی بن پیر سید عبد الستار شاہ جیلانی، مزارِ پاک لونی شریف، کچھ۔

(۸)- مرشدِ امت، محبوبِ ملت، حضرت پیر سید حسن شاہ جیلانی بن پیر سید عبد الستار شاہ جیلانی، مزار، پاک آڈیسر (کچھ، گجرات)

(۹)- سیادت پناہ، شہزادۂ غوث الوریٰ حضرت پیر سید حاجی غلام محمد شاہ بن حضرت پیر سید اصغر علی شاہ اول، مزار، پاک آڈیسر (کچھ، گجرات)

(۱۰)- گوہرِ سیادت، حضرت پیر سید محمد زماں شاہ بن حضرت پیر سید عبد الغفور شاہ جیلانی، مزار پاک بدین، سندھ۔

(۱۱)- چشم و چراغ خاندان نبوت حضرت پیر سید غلام نبی شاہ بن پیر سید عبد الغفور شاہ جیلانی، مزار پاک (پنگھرو، سندھ)

(۱۲)- ماہتابِ سیادت حضرت پیر سید عابد شاہ بن پیر سید عبد الغفور شاہ جیلانی، مزار پاک، کراچی، سندھ۔

(۱۳)- فخرِ سیادت، حضرت پیر سید احمد شاہ بن پیر سید عبد الغفور شاہ جیلانی، مزار پاک (پنگھرو، سندھ)

(۱۴)- نازِ سیادت، حضرت پیر سید عارف شاہ بن پیر سید عبد الرزاق شاہ جیلانی مزارِ پاک، اکڑی، پتھورہ، سندھ۔

(۱۵)- جوہرِ سیادت حضرت پیر سید عبد اللہ شاہ بن پیر سید عبد الرزاق شاہ جیلانی، مزارِ پاک، اکڑی، پتھورہ، سندھ۔

(۱۶)- فرزند شاہ جیلاں حضرت پیر سید فتح محمد شاہ بن پیر سید غوث محمد شاہ جیلانی علیہم الرحمۃ والرضوان۔ (لاپتہ)

اب اس عہدِ حاضر میں اس خانوادہ شریف کا تیسرا طبقہ ہے جو مصروفِ خدمتِ دینِ متین ہے۔ یہ ملاکاتیار شریف کے تیسرے بزرگ غوثِ اکمل، قطبِ مکمل، قدوۃ العارفین، زبدۃ الواصلین، مرشد الکاملین مربی الاکملین سیدنا و مرشدنا حضرت الشاہ محمد اسحاق شاہ نقش بندی (م: ۲۷؍ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۶؍ نومبر ۱۹۸۸ء بروز جمعہ) بن حضرت قبے دھنی بادشاہ علیہما الرحمۃ والرضوان سے فیض یافتہ و اجازت یافتہ ہے۔ اس طبقہ ثالثہ کے سرخیل حضور قائدِ اہلِ سنت، قاطعِ بدعت، مجاہدِ دوراں، حضور پیر روشن ضمیر حضرت علامہ الحاج پیر سید غلام حسین شاہ جیلانی نقش بندی بن قبلۂ واصلاں، قطبِ تھر حضرت پیر سید قطب عالم شاہ جیلانی عرف دادا میاں علیہ الرحمہ (م: ۱۶؍ رمضان ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۰؍ فروری

۱۹۶۳ء شب دوشنبہ مزارِ پاک سوجا شریف) ہیں جو جامعہ صدیقیہ و تحریک صدیقی کے بانی و سرپرست و سربراہ ہیں۔ علاقۂ راجستھان و گجرات کی سنیت جن کے دم قدم سے لہلہا رہی ہے اور ان کے دوش بدوش خاندانِ پاک کے چشم و چراغ شہزادۂ غوث الوریٰ حضرت پیر سید حاجی علی اکبر شاہ جیلانی عرف باوا صاحب قبلہ بن غوثِ زماں حضرت پیر سید حاجی محمود شاہ جیلانی (۲۲ر محرم الحرام ۱۳۸۶ھ) ہیں۔ جو اپنے والد بزرگوار کے لگائے ہوئے باغ دار العلوم فیض اکبری (لونی شریف) کی آبیاری فرما رہے ہیں۔ بلکہ پورا خاندان مصروفِ خدمتِ دین ہے، حضور باوا صاحب قبلہ کے سگے چچازاد بھائی برادر گرامی مرتبت، مجاہد ملت، مقرر شعلہ بیاں، جامع علم و عرفاں، بلبلِ کچھ حضرت علامہ الحاج پیر سید محبوب حسین شاہ جیلانی بن حضرت غوث زماں پیر سید غلام رسول شاہ جیلانی عرف پیر حاجی باوا میاں علیہما الرحمۃ والرضوان (بانی دار العلوم فیض غلام رسول شاہ (ریچھولی، باڑمیر) تا زندگی دینی دوروں اور تقریروں کے پروگراموں سے دینِ متین کی کھیتی کو سینچتے رہے۔ اب ان کے فرزند ارجمند ماہرِ علمِ انساب، مقررِ لاجواب، عالم جلیل، فاضلِ بے نظیر، حضرت پیر سید حاجی احمد شاہ جیلانی اس مشعل کو فروزاں کیے ہوئے ہیں۔ اس طرح سے فرزندانِ حضرت پیر سید شاہ محمد شاہ جیلانی، عالی جناب پیر سید نور محمد شاہ جیلانی اور حضرت علامہ الحاج پیر سید غوث محمد شاہ جیلانی مریدین میں دوروں وغیرہ سے اپنے آبائی مشن کو رواں دواں رکھے ہوئے ہیں۔ اور فرزند حضرت پیر سید صالح محمد شاہ قبلہ، سید پیر عبد الشکور شاہ عرف پیر سید اشرف شاہ جیلانی مد ظلہ العالی بھی جماعت مریدین میں خوب سفر فرماتے ہیں۔ بلکہ اس طبقۂ ثالثہ کے بزرگوں کے فرزندان عالی مرتبت جن میں بعض عالمِ دین بھی ہیں، دوسرے اہلِ علم علما و صلحا سے محبت رکھنے والے ہیں، شبانہ روز خاندانی وجاہت کو برقرار رکھنے میں کوشاں جوشاں ہیں۔ مولا تعالیٰ خانوادہ شریف کو پھلتا پھولتا رکھے اور تا قیامِ قیامت غوث و قطب پیدا فرماتا رہے، جس سے امتِ مسلمہ ہدایت کی روشنی حاصل کرتی رہے۔ آمین ثم آمین۔

یہاں یہ بھی واضح کرنا ضروری ہے کہ ملا کاتیار شریف کی خانقاہ جس سے لونی شریف کے بزرگ فیض یاب ہوئے، آیا یہ کس خانقاہ کی شاخ ہے؟ کیوں کہ خانوادہ ملا کاتیار شریف کے یہ تینوں بزرگ قطبِ مدار اور حضوری بزرگ اور محمدی مشرب ہوئے ہیں۔ بلکہ خانوادہ ملا کاتیار میں چھ سو سال سے مسلسل ولایت چلی آ رہی ہے۔ مگر خاندان ملا کاتیار شریف ہمیشہ اخفا پسند اور پوشیدہ رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ مسعودِ ملت، پروفیسر مسعود احمد علیہ الرحمۃ جیسے تلاش و جستجو کے شہنشاہ جنھوں نے پورے عالمِ اسلام کی نقش بندی خانقاہوں کا پتہ لگایا اور جہان امامِ ربانی میں ان کا ذکر کیا، مگر انھوں نے بھی اس خانقاہ شریف کا ذکر نہ کیا۔ یہ عظیم خانقاہ جس کے فیضان سے سندھ کی کوئی خانقاہ خالی نہیں، ہندوستان میں بذریعہ خانقاہ عالیہ لونی شریف اس خانقاہ (ملا کاتیار شریف) کا فیضان۔ گجرات، راجستھان، مہاراشٹر، ممبئی، مدراس، بنگلور، وندھ اور پنجاب تک پہنچا ہوا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ خانقاہ ملا کاتیار شریف حضرت عمدۃ الواصلین حضرت خواجۂ خواجگاں غوثِ زماں حضرت خواجہ محمد مظہر مدنی (صاحبِ مقاماتِ سعیدیہ) بن زبدۃ العارفی حضرت خواجہ الشاہ احمد سعید نقش بندی مجددی رام پوری علیہ الرحمہ کی شاخ ہے۔ تاج دار ملا کاتیار شریف قبلۂ اماجد و اخیار حضرت شاہ صدیق اللہ نقش بندی مجددی علیہ الرحمۃ والرضوان وہ پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے اس خانوادۂ ملا کاتیار شریف میں سب سے پہلے نقش بندی فیض خواجہ محمد مظہر مدنی علیہ الرحمۃ نے آپ کو اپنی ضمنیت میں لیا اور آپ پر بڑی مہربانیاں فرمائیں جو آپ کے مکتوبات سے ظاہر ہوتی ہیں۔ یہاں تک فرمایا ہے کہ فرزند تم میرے ضمنی ہو، تمھیں آخر وہ ملے گا جو مجھ کو حاصل ہے۔ پس بوقتِ وصال خلفا نے اپنا نائب و جانشین بنانے کا عرض کیا تو فرمایا، یہ فیض ہندوستانی ہے، ہندوستان ہی جائے گا، چناں چہ مدینہ شریف میں خلفا نے اپنی سر کی آنکھوں سے دیکھا کہ فیض بصورت سبز پرند آپ کے وجودِ مسعود سے ظاہر ہو کر عازمِ ہند محوِ پرواز اور ہوا اور یہاں (ملا کاتیار شریف) میں بحالتِ مراقبہ حضور شہنشاہ ملا کاتیار الشاہ صدیق اللہ علیہ الرحمۃ والرضوان کے وجودِ مبارک میں غائب ہو گیا اور یہی فیض بذریعہ خانوادۂ لونیہ خوب پھیلا اور پھیلتا جا رہا ہے، جسے دنیا اپنے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھ رہی ہے۔

ولادت و تعلیم: آپ کی پیدائش کچھ، گجرات کے مشہور گاؤں لونی شریف میں ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۹۶۰ء اور ۲۰۱۶ بکرمی سمبت کو ہوئی۔ آپ کے والد ماجد نے سفرِ پہ روانگی سے قبل آپ کو اپنے چچازاد بھائی بقیۃ السلف عمدۃ الخلق صاحبِ کشف و کرامت، حضور پیر سید محمود شاہ جیلانی نقش بندی علیہ الرحمۃ والرضوان عرف بڑے پیر صاحب کو سونپا اور وصیت فرمائی کہ یہ میری امانت ہے، اس کی سنبھال اب آپ کو کرنی ہے۔ حضور

بڑے پیر صاحب قبلہ (م: ۲۲ر محرم الحرام ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۶ر اکتوبر ۱۹۸۵ء مزار لونی شریف) نے آپ کی تعلیم و تربیت، نیز اپنے فرزند ارجمند، سیادت پناہ حضور شہزادۂ غوث الوریٰ، پیر سید علی اکبر شاہ جیلانی نقش بندی عرف باباصاحب قبلہ کی تعلیم و تربیت کے لیے ۱۲ر ربیع الاول ۱۳۸۸ھ مطابق ۸ر جون ۱۹۶۸ء میں دار العلوم فیض اکبری لونی شریف کا افتتاح فرمایا۔ آپ نے اسی جامعہ میں از ابتدا تا انتہا تعلیم حاصل کر کے ۱۳ر شعبان المعظم ۱۳۹۵ھ مطابق ۲۰ر اگست ۱۹۷۵ء کو سند قراءت و فضیلت سے اکابر علما و مشائخ کے مقدس ہاتھوں سے نوازے گئے۔ آپ کو معقولات و منقولات کی اجازت حضور عالمِ ربانی محدث ڈینبائی حضرت علامہ الحاج مولانا عبد الحق ڈینبائی نقش بندی علیہ الرحمۃ عرف بڑے مولوی صاحب قبلہ، فاضل مظہر اسلام مسجد بی بی جی، بریلی شریف نے عطا فرمائی۔ آپ (محدث ڈینبہ) حضور محدثِ اعظم پاکستان علامہ سردار احمد علیہ الرحمۃ کے مجاز تھے۔ وہ حضور صدر الشریعہ فقیہ اعظم ہند حضرت علامہ ابو العلا محمد امجد علی علیہ الرحمۃ (م: ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء، مصنف بہارِ شریعت) کے مجاز تھے۔ حضور والا کے خاندانِ پاک میں ایک سے ایک محدث، مفسر، عامل و کامل، حکیم و طبیب، غوث و قطب، ابدال و اوتاد ہوتے آئے ہیں، آپ بھی اپنے آبا و اجداد اور مرشدِ برحق کے فیوضات و برکات کے حامل و مظہر ہیں۔ اور طب و حکمت میں بھی یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔ فراغت کے بعد حضور بڑے پیر صاحب نے دار العلوم فیض اکبری (لونی شریف) میں مسندِ تدریس و تعلیم پر فائز فرمایا، بلکہ آپ دوران طالب علمی سے ہی طلبہ کو اسباق پڑھانے پر مامور تھے۔ جب لونی شریف میں درگاہ شریف پہ ۱۰ر جمادی الآخرہ ۱۳۹۶ھ مطابق ۹ر مئی ۱۹۷۶ء بروز اتوار بڑے پیر صاحب و بڑے مولوی صاحب علیہما الرحمہ نے عالی شان عمارت کا سنگِ بنیاد رکھی تو آپ نے دستِ راست بن کر، ان دونوں بزرگوں کا تعمیری کام میں خوب خوب ہاتھ بٹایا اور چند سال تک فرائضِ صدارت بحسن و خوبی سرانجام دیے۔ آپ کے والد کا مزار پر انوار چوں کہ سوجا شریف (باڑمیر) میں تھا اور بڑے پیر صاحب کی بھی تمنا تھی کہ اس درگاہِ پاک پر راجستھانی طلبہ کے لیے مرکزی درس گاہ بنے، پس آپ نے حضور بڑے پیر صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد ۱۲ر جمادی الآخرہ ۱۴۰۶ھ مطابق ۲۱ر فروری ۱۹۸۶ء کو اپنے والد ماجد کے مزار پر انوار (سوجا شریف) کے پاس ایک مدرسہ بنام فیض صدیقی کھول کر مولانا الحاج محمد قاضی صاحب اکبری کو برائے تعلیم و تربیت منتخب فرمایا، جو آج جامعہ صدیقیہ کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ آپ نے مدرسہ کا افتتاح فرما کر جب اپنے مرشدِ برحق مقرب حضرت رحمان، واصل بارگاہ سبحان، واقفِ رموز الٰہی، جامع کمالات، تاجدارِ ولایت حضرت شیخ الشاہ محمد اسحاق شاہ نقش بندی علیہ الرحمۃ والرضوان عرف پارگاہ بادشاہ ملا کا تیار شریف (م: ۲۷ر ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۶ر نومبر ۱۹۸۸ء بروز جمعہ) سے عرض کیا کہ حضور! ہم نے مظہر فیض اویسی، واقفِ اسرارِ الٰہی، سید الاولیا، تاج الاصفیا، قطبِ مدار حضرت شیخ الشیوخ الشاہ صدیقی اللہ علیہ الرحمۃ والرضوان (اعظم بادشاہ، م: ۳ر ذی قعدہ ۱۳۱۶ھ مطابق ۱۹۸۸ء) کے نام سے سوجا شریف میں ایک ادارہ کھولا ہے۔ آپ دعا فرمائیں، تو جواب میں خوش ہو کر آپ نے فرمایا، ماشاء اللہ پیر صاحب! ہم اس ادارہ کی جڑوں کو تحت الثریٰ میں گاڑ دیتے ہیں کوئی بادِ مخالف اس کا کچھ بگاڑ نہ سکے گی، انشاء المولیٰ تعالیٰ۔ اس مژدۂ جاں فزا کو سننے کے بعد آپ نے سوجا شریف میں ایک عدیم المثال ادارہ بنانے کا عزم مصمم کر لیا اور آخر یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہو ہی گیا۔ فالحمد للّٰہ علیٰ ذلك۔

نمایاں خدمات: آپ کی نمایاں خدمات میں اولاً دار العلوم فیض اکبری (لونی شریف) کو ارتقا کی منزل سے ہم کنار کرانا اور کافی عرصہ تک اسی میں تدریسی خدمات اور صدارت کے فرائض انجام دینا بعدہ سوجا شریف میں ایک عظیم ادارہ کا قیام اور اس کے ناظم اعلیٰ ہو کر ترقی پر لانا ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۹۸۶ء سے درختوں کے سایہ تلے اور کچے جھونپڑوں میں چل رہے اس عظیم الشان ادارہ کو پختہ بنانے کا آخر وقت آیا اور ۱۲ر ربیع النور شریف ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۱ر مارچ ۲۰۰۸ء کو ولادتِ باسعادت کے نورانی وقت میں پانچ سادات کرام خصوصاً حضرت علامہ الحاج مفتی سید احمد شاہ مٹاری اکبری، ناظمِ اعلیٰ دار العلوم فیضان مولا علی دھوراجی (سوراشٹر) و بانی جامعہ صدیقیہ سوجا شریف کے مقدس ہاتھوں سے تعمیر نو کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ تعمیر کا آغاز یکم ذی قعدہ ۱۴۲۹ھ کو ہوا۔ کمپیوٹر روم، صدیقی لائبریری، آفس، بیٹھک شیخ الجامعہ کے علاوہ تیس حجرات پر مشتمل سہ منزلہ عالی شان درس گاہ کا افتتاح سالانہ جلسہ منعقدہ بروز جمعہ ۲۱/۲۲ر شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۲/۲۳ر جولائی ۲۰۱۱ء خطیبِ ایشیا و یورپ کلیمِ ملت حضرت پیر سید محمد اشرف کلیم اشرفی جیلانی (جائس شریف) کے مقدس ہاتھوں سے ہوا۔ اسی سال صدیقی دار الاقامہ (ہاسٹل) کا سنگ بنیاد اسی روز بعد عصر حضور مخدوم گرامی مرتبت، گل گلزارِ اشرفیت، نبیرۂ سرکارِ کلاں، حضرت پیر طریقت الحاج پیر سید محمد اشرف اشرفی جیلانی (کچھوچھا

شریف) و دیگر سادات کرام و مشائخ عظام کے دست ہائے مقدسہ سے رکھا گیا۔ وہ بھی دو سال کے اندر پایۂ تکمیل کو پہنچا اور سالانہ جلسہ منعقدہ ۲۲؍ شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ مطابق ۱۱؍ جون ۲۰۱۴ء بروز ہفتہ حضرت خطیب ایشیا ہی کے مقدس ہاتھوں سے اس کا افتتاح ہوا اور اسی روز بعد نماز عصر عزیز ملت، شہزادۂ حضور حافظ ملت حضرت علامہ الحاج الشاہ عبد الحفیظ صاحب سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور (یوپی) اور حضور سید اشرف کلیم جیلانی مد ظلہ العالی اور جامع معقول و منقول حضرت علامہ الحاج مفتی سید احمد شاہ مٹاری (دھوراجی) و بانی جامعہ صدیقیہ سوجا شریف کے مقدس ہاتھوں سے جامعہ امہات المومنین فیض صدیقی سوجا شریف کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ یہ فلک بوس عمارتیں تشنگان علوم دینیہ و دنیویہ کو دعوت نظارہ دے رہی ہیں۔ زمانہ کے لحاظ سے ۳۶؍ کمروں پر مشتمل ہاسٹل کے ہر روم کے اٹیچ بیت الخلا و غسل خانہ و کپڑے دھونے و سکھانے کے لیے پوری پوری فیسلٹی مہیا ہے۔ اسی سال ہاسٹل کے ساتھ ساتھ مسجد صدیقی بھی تیار ہوئی اور ساتھ ہی افتتاح ہوا، جو اپنی ظاہری ہیئت میں عرب شریف کی یاد دلاتی ہے۔ اور درگاہ عالیہ کی تعمیر نو اور علاقہ بھر میں مساجد و مدارس کی بنا و تعمیر جدید اور ان کی آبادکاری اور تحریک صدیقی کی ماتحتی میں چل رہی بہت ساری ذیلی تنظیمات و کمیٹیاں آپ کی رہین منت ہیں۔ مثلاً تنظیم غریب نواز، علاقہ کھوڑ و نیڑ (راج) اور فیضان جیلانی ٹرسٹ فلودی (جودھ پور)۔ مرکزی تحریک صدیقی و غلامان مصطفیٰ کمیٹی سوجا شریف اور دار العلوم ضیاء المصطفیٰ باڑ میر (راج) و دار العلوم فیضان مصطفےٰ بالوترہ (راج) و دار العلوم شاہ جیلاں دیراسر (باڑ میر) و دار العلوم حسنین کریمین بڑنواجاگیر (باڑ میر) نسواں کے لیے مدرسہ فاطمۃ الزہرا بالوترہ (راج) وغیرہ کے انتظام و انصرام و سرپرستی کا سہرا آپ ہی کے سر سجتا ہے۔ بلکہ علاوہ دار العلوم ضیاء المصطفیٰ باڑ میر کے سب کے بانی و مبانی آپ ہی ہیں۔ آپ سے فیض یافتہ علما و حفاظ صوبۂ گجرات، کچھ، مہاراشٹر اور راجستھان کے مختلف اضلاع میں اپنی قابلیت و لیاقت کی حیثیت سے عملی و علمی میدان کو سیرابی سے ہم کنار کر رہے ہیں۔ آپ ایک سجادہ نشیں ہونے کی حیثیت سے تبلیغی، تعلیمی، روحانی و تعمیری میدان میں بہت سارے کام انجام دے رہے ہیں۔ مولا تعالیٰ صحت و عافیت کے ساتھ انھیں عمر خضر نصیب فرمائے۔ آمین۔

عزائم و مقاصد: جو عزائم و مقاصد جلد شرمندۂ تعبیر ہوں گے، انشاء اللہ تعالیٰ، وہ یہ ہیں: سوجا شریف میں بچیوں کی تعلیم کے لیے جامعہ امہات المومنین اور فروغ تصوف کے لیے روحانی شفاخانہ بنام فیضان اصحاب صفہ اور امراض جسمانی کے لیے عظیم ہاسپیٹل کا قیام۔ یہ ایک طویل سلسلہ ہے جو خانقاہ عالیہ نقش بندیہ مجددیہ مظہریہ صدیقیہ (سوجا شریف) کی تاریخ کا ایک روشن باب ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

خاص میدان: امت مسلمہ کی مخلصانہ تعلیمی، تربیتی، علمی، عملی، روحانی، اخلاقی، معاشرتی اور سماجی خدمات انجام دینا، شب و روز خود بھی اسی میں لگے رہنا اور مریدین و معتقدین کو ان کی صلاحیت کے موجب انھیں خدمات میں لگائے رکھنا، مساجد کی بنا اور انھیں آباد کرنا، محافل کا عام کرنا، ان کے ذریعہ عامۃ المسلمین و شریعت و سنت کے قریب کرنا، عوام و خواص کے دلوں کو عشق مصطفےٰ ﷺ و محبت اولیاے کرام سے سرشار کرنا۔ اپنے اخلاق اور اعمال سے اپنی خاص نشستوں اور دوروں کے ذریعہ ایمانی روح پھونکنا اور سلوک کے روحانی اسباق پڑھانا اور حلقۂ ذکر کے ذریعہ تصفیہ قلب و تزکیہ نفس کرنا، نکموں کو دین کے کام میں لگانا، اپنی دل کش و دل ربا اداؤں سے دین سے دور اور علما سے دور بلکہ بدعقیدگی اور فسق و فجور میں مبتلا اشخاص کو اہل سنت کا دلدادہ اور اولیاے کرام کا عاشق و دیوانہ بنانا، محبوب پاک صاحب لولاک ﷺ کے دین کے احیا کے لیے اپنی صحت یا ذاتی مفاد کا خیال نہ کرنا، الغرض الاستقامۃ علیٰ امر اللہ والشفقۃ علیٰ خلق اللہ کا سرتاپا مجسمہ نظر آنا وغیرہ

تری شمع حق نمائی میں ہے زور رہ نمائی
کہ ہزار آندھیوں میں نہ بجھی نہ جھلملائی

رب قدیر آپ کو صحت و سلامتی کے ساتھ تمام وابستگان خانقاہ و حامیان جامعہ صدیقیہ پر تا دیر سایہ فگن رکھے اور آپ کے فیض صحبت و تربیت سے مستفیض و مستنیر فرمائے۔

دلوں میں ولولے آفاق گیری کے نہیں اٹھتے
نگاہوں میں اگر پیدا نہ ہو انداز آفاقی

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ۱۲۵۰ھ سے ۱۴۳۶ھ تک اس خاندان عالیہ جیلانیہ لونویہ سے دین متین کی یہاں راجستھان و گجرات میں خوب خدمت لی اور لے رہا ہے۔ مولا تعالیٰ اپنے محبوب کے اس چمن کو تا قیامت سرسبز و شاداب رکھے اور اس میں غوث و قطب پہلے بھی ہوتے آئے ہیں اور تا قیامت پیدا ہوتے رہیں گے اور امت مصطفیٰ ﷺ ان سے فیض یاب ہوتی رہے گی، آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

☆☆☆

نفقہ مطلقہ سے متعلق سپریم کورٹ کا فیصلہ شریعت کے خلاف

مولانا ممتاز عالم مصباحی

ہندوستان ایک سیکولر اور جمہوری ملک ہے، جس کے آئین میں تمام باشندگان وطن کو اپنے مذہب کی تعلیمات وہدایات کے مطابق حل کرائیں، لیکن افسوس کہ آئین کی طرف سے اس واضح مذہبی تحفظ کے باوجود سپریم کورٹ اور ملک کی دیگر عدالتیں وقفہ وقفہ سے ایسے فیصلے صادر کرتی رہتی ہیں جو شریعت کے منافی ہونے کے ساتھ ساتھ خود آئینِ ہند سے بھی متصادم ہوتی ہیں۔ نفقۂ مطلقہ سے متعلق سپریم کورٹ کا حالیہ فیصلہ بھی اسی قبیح سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

واضح رہے کہ گذشتہ ۷/ اپریل ۲۰۱۵ء کو سپریم کورٹ کے جسٹس دیپک مشرا اور پر فل چندر پنت کی بنچ نے شمیمہ فاروقی و شاہد خان معاملے کا فیصلہ سناتے ہوئے کہا کہ مسلم خواتین کو بھی دفعہ ۱۲۵ کے تحت اپنے شوہر سے گذارہ بھتّا حاصل کرنے کا حق ہے، اگر کسی مسلم خاتون کو طلاق ہوگئی ہے تب وہ یہ حق تب تک حاصل کرسکتی ہے جب تک کہ دوسری شادی نہیں کرلیتی، صرف عدت کی مدت میں ہی گذارا بھتّا دیا جانا کافی نہیں ہے۔ سپریم کورٹ نے شاہد خان کو اس بات کا پابند بنایا ہے کہ وہ ۴/ ہزار روپے ماہانہ گذارا بھتّا شمیمہ خان کو ادا کرے۔

قارئینِ کرام کو یاد ہوگا کہ ۲۳/ اپریل ۱۹۸۵ء کو بھی سپریم کورٹ سے محمد احمد خاں بنام شاہ بانو بیگم مقدمے میں اسی طرح کا فیصلہ صادر کیا تھا، جس میں مطلقہ مسلم خواتین کو عدت کے بعد بھی گذارا بھتّا (نان و نفقہ) دینے کا حق دیا گیا تھا۔ چوں کہ یہ فیصلہ شریعتِ اسلامیہ سے متصادم تھا، اس لیے اس فیصلے کے خلاف مسلمانانِ ہند سراپا احتجاج بن کر سڑکوں پر اتر آئے تھے، جس کے پیشِ نظر وزیر اعظم راجیو گاندھی نے پارلیمنٹ میں شریعت بِل پاس کرا کر اس تنازع کا سدِّ باب کیا تھا۔ ٹھیک تیس سال کے طویل عرصہ کے بعد سپریم کورٹ نے یہ غیر دانش مندانہ فیصلہ دے کر ایک بار پھر شاہ بانو کیس کی یاد دلا دی ہے اور مسلمانانِ ہند کو سخت کرب و بے چینی میں مبتلا کر دیا ہے۔

عدالتِ عالیہ کہتی ہے کہ مطلقہ مسلم خواتین کو اس وقت تک گذارا بھتّا دینا ضروری ہے جب تک کہ وہ نکاح ثانی نہ کرلے۔ اگر آپ غور کریں تو یہ فیصلہ شرعًا اور عقلاً کسی بھی اعتبار سے درست نظر نہیں آئے گا، شرعی اعتبار سے تو اس لیے کہ نصوصِ قطعیہ اور فقہاے کرام کے اتفاق سے یہ بات ثابت ہے کہ مطلقہ خواتین صرف عدت تک ہی اپنے سابق شوہر سے نان و نفقہ کی مستحق ہیں اس کے بعد ہرگز ہرگز نہیں۔ اس امر کی توضیح قرآن و احادیث اور عامۂ کتبِ فقہ میں اچھی طرح موجود و محفوظ ہے۔ عقلی اعتبار سے بھی یہ درست نہیں کہ مطلقہ خواتین کو نکاح ثانی تک نان و نفقہ دیا جانے لگے تو مسلم سماج میں بہت سی برائیوں کا باب کھل جائے گا۔ آج کے اس مہنگائی کے دور میں انسان صحیح طریقے سے اپنے اور اپنے بچوں کی ضروریات کو تو پورا کر ہی نہیں پاتا، چہ جائے کہ وہ ایک ایسی خاتون کے بوجھ کو برداشت کرے جس سے اب اس کا کوئی رشتہ و تعلق باقی نہیں رہا۔ ایسی صورت میں مطلقہ خواتین بھی طرح طرح کے مظالم کا شکار ہوتی ہیں۔ دوسری طرف مطلقہ خواتین گذر اوقات کے لیے ضروری رقم ملنے کی باعث دوسرے نکاح سے بے پروا ہو جائیں گی۔ اس کا منطقی نتیجہ یہ کھل کر سامنے آئے گا کہ سماج میں بے شوہر خواتین کی تعداد بڑھتی جائے گی، جسے کوئی بھی سماج بہتر تصور نہیں کر سکتا۔ ایسی خواتین کوئی تعجب نہیں کہ اوباش لوگوں کا شکار ہو کر بدچلنی اور بے راہ روی میں ملوث ہو جائیں گی جن سے سماج کے تانے بانے بکھر جائیں گے اور ہر طرف تعفن پیدا ہو جائے گا۔

واقعتاً اگر عدالتِ عالیہ مطلقہ مسلم خواتین سے ہمدردی رکھتی ہے تو وہ اس قسم کے غیر مناسب فیصلے دینے کے بجائے مرکزی حکومت کو یہ مشورہ دے کہ وہ ایسی خواتین کے لیے مناسب فنڈ مہیا کرے تاکہ بعد عدت ان کی مناسب شادی کا انتظام کیا جا سکے، عدالت نے شوہر سے گذارہ بھتّا کا فیصلہ تو صادر کر دیا لیکن اگر کوئی عورت بیوہ ہو جائے اور اس کا کوئی سہارا نہ ہو تو عدالتِ عالیہ کی نظر میں اس کا کیا حل ہے۔ اسی طرح کسی مطلقہ کا شوہر اس قدر نادار و مفلوک الحال ہے کہ وہ اپنا پیٹ ہی نہیں بھر سکتا، دو وقت کی روٹی کے لیے مجبور رہتا ہے تو ایسی صورت میں اس مطلقہ

کے لیے عدالت عالیہ کیا فیصلہ کرے گی، وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کے اور بھی ایرادات قائم کیے جاسکتے ہیں۔

صحیح بات یہ ہے کہ عدالتِ عالیہ کو مطلقہ مسلم خواتین سے کوئی ہمدردی نہیں۔ در اصل وہ اس فیصلے کے ذریعہ ایک تیر سے بیک وقت دو شکار کرنا چاہتی ہے۔ اول یہ کہ وہ اس فیصلے سے خواتین میں یہ پیغام دینا چاہتی ہے کہ عدالتِ عالیہ ان کی ہمدرد ہے، دوم یہ کہ وہ اس کے ذریعہ ان میں علمائے کرام و مفتیان ذوی الاحترام کے تئیں بدگمانی پیدا کرنا چاہتی ہے، کیوں کہ اس قسم کے فیصلوں سے خواتین یہ سمجھیں گی کہ عدالتِ عالیہ ہمارے حقوق کی لڑائی لڑ رہی ہے اور دوسری طرف جب مفتیانِ کرام عدالت کے ان فیصلوں کو شریعت مطہرہ کے خلاف قرار دیتے ہوئے اس کی مخالفت کریں گے تو یہ خواتین اپنے خلقی نقصان کے سبب فقہاے کرام کے بارے میں یہ راءے قائم کرلیں گی یہ ہمارے بدخواہ ہیں، ہمارے حقوق کی حصول یابی کی راہ میں روڑے اٹکا رہے ہیں۔

۱۹۸۵ء اور موجودہ دور میں بہت ہی نمایاں فرق ہے۔ اس وقت آں جہانی راجیو گاندھی جیسے تعلیم یافتہ اور سیکولرزم میں یقین رکھنے والے نوجوان لیڈر کے زیرِ قیادت مرکز میں ایک مضبوط حکومت قائم تھی اور آج جس طرح کی حکومت قائم ہے اسے بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ آج کا دور مسلمانانِ ہند کے لیے قدم قدم پر نت نئے مصائب و مشکلات اور حوصلہ شکن ابتلاو آزمائش کا دور ہے۔ لو جہاد سے لے کر تحریک تبدیلی مذہب تک ایسے حساس مواقع آئے ہیں، جنھوں نے مسلمانانِ ہند کو ہر طرف سے ہلا کر رکھ دیا ہے۔ ہر طرف نفرت کا بازار گرم ہے، ملک کی گنگا جمنی تہذیب دم توڑتی ہوئی نظر آرہی ہے۔ امن وامان کی فضا مکدر و مسموم ہوچکی ہے۔ ایسی نازک ترین اور سنگین صورت حال میں مسلمانانِ ہند کے لیے ضروری ہے کہ وہ سپریم کورٹ کے تازہ ترین فیصلے کے خلاف بڑی حکمتِ عملی سے تحریک چلائیں، اس کے ساتھ ساتھ ناخواندہ مسلم معاشروں میں شرعی بیداری مہم بھی چلانے کی شدید ضرورت ہے تاکہ مسلمان اپنے مذہبی معاملات کو عدالت تک نہ لے جائیں کہ یہ دن دیکھنا پڑے، بلکہ تمام تر مذہبی معاملات کے تصفیہ کے لیے دار الافتا اور دار القضا کی طرف رجوع کریں اور جو فیصلے ہوں ان پر انشراحِ صدر کے ساتھ عمل کریں کہ یہی ایمان کا تقاضا ہے اور اسی پر عمل کرکے ہم دنیا و آخرت میں کامیاب ہوسکتے ہیں۔

مرکزی حکومت سے گذارش ہے کہ اگر ملک کی جمہوریت عزیز ہو تو وہ اس فیصلے کو کالعدم قرار دے اور عدالت عالیہ اور دیگر عدالتوں کو اس بات کا پابند بنائے کہ وہ اس قسم کے فیصلے کرنے سے باز آئیں جن سے کسی بھی کمیونٹی کی مذہبی تعلیمات کو زک پہنچے، بلکہ مذہبی معاملات کا تصفیہ ان کے پرسنل لا کے مطابق ہی کرے۔ ☆☆☆☆

ص:۴۶ کا بقیہ...... کے عنوان سے مولانا محمد حبیب اللہ بیگ مصباحی ازہری استاذ؛ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کا وقیع مضمون ہے۔ چوں کہ کتاب میں اشرفیہ کا کوئی تذکرہ نہ تھا، اس لیے اس تعارف کی ضرورت پیش آئی۔ مولانا ازہری نے اشرفیہ اور فرزندان اشرفیہ کی جو خدمات پیش کی ہیں، وہ کسی بھی انصاف پسند کو متاثر کیے بنا نہیں رہ سکتیں۔ مناقب موفق کی ایک خاص بات حضرت مصنف علام کے برمحل اشعار بھی ہیں۔ چوں کہ علامہ موفق مکی ایک بہترین شاعر تھے اس لیے جا بجا برمحل شعر گوئی میں دریغ میں نہیں کرتے جبکہ بالخصوص ابواب کے اختتام پر عام طور پر "من مقالاتی فیه۔ اور۔ مما قلت فیه" کہ کر عمدہ نظمیں پیش کرتے ہیں۔

یہ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ آج ہمارے یہاں اچھی، معیاری اور استنادی حیثیت کی حامل کتابیں خریدنے اور پڑھنے پڑھانے کا ماحول ختم سا ہوتا جارہا ہے جس کی بنیاد پر ناشرین حضرات اس قسم کی عمدہ، معیاری، تاریخی اور اہم کتابوں کی اشاعت سے گریز کرتے ہیں۔ بھلے ان کی حیثیت قدیم ماخذ کی ہی کیوں نہ ہو۔ حیرت بالائے حیرت اس وقت ہوتی ہے جب اس قسم کی کتابیں چھاپنے والے مکتبوں اور ناشرین کی بالائی حوصلہ افزائی بھی نہیں ہوتی اور بے چاروں کو خسارے سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ یقیناً یہ جذبہ قابل حوصلہ شکن ہے اور یہ عادت تبدیل ہونی چاہیے۔ ورنہ رفتہ رفتہ قدیم ماخذ کا جو نام باقی رہا ہے، وہ بھی طاق نسیاں کی زینت بن جائے گا اور ہماری حالیہ تاریخوں کا ماضی سے رشتہ بالکل منقطع ہوکر رہ جائے گا، جس کے بعد نہ صرف یہ کہ قدیم و عظیم کی قدامت و عظمت اور اہمیت متاثر ہوگی بلکہ جدید کی جدت بھی کوئی خاطر خواہ فائدہ مند ثابت نہ ہوگی۔ ویسے بھی اب دنیا میں جفاکش لوگوں کی خاصی کمی ہے اور جب ایسے گنے چنے لوگوں کی بھی قدردانی نہ ہوگی تو یہ مستقبل کا کیا حشر ہوگا۔ اس لیے ارباب ذوق سے گزارش ہے اس قسم کی مستند کتابوں کی اشاعت کی جیسے ہی خبر ملے، انھیں ہاتھوں ہاتھ لیں، باقیمت لیں اور دوسروں کو بھی اس طرف راغب کریں تاکہ ناشرین کی حوصلہ افزائی ہو اور اللہ کرے قدیم ماخذ کی اشاعتوں کا سلسلہ سا چل پڑے۔ اللہ رب العزت ہمیں توفیق خیر مرحمت فرمائے۔ ☆☆☆

مطلقہ عورتوں کے نان ونفقہ کا شرعی حکم اور سپریم کورٹ کے فیصلے

مفتی محمد کمال الدین اشرفی مصباحی دیناج پوری

ہماری سماجی زندگی سے متعلق قرآن پاک کا ایک اصول یہ ہے کہ قرآن نے کسی انسان پر کوئی ذمہ داری ڈالی ہے تو اس ذمہ داری کو ڈالنے کے ساتھ ساتھ اس نے انسانی نفس کا بھی خیال رکھا ہے اور وہ اس بات پر زور دیا ہے کہ کسی پر اتنا بوجھ مت ڈالو کہ وہ اس بوجھ کو اٹھانے کی طاقت نہ رکھتا ہو، اگر ایسا کیا جائے گا تو یہ انسانی تقاضہ کے خلاف ہوگا اور وہ ناجائز ہوگا بوجھ اگر اس کی طاقت سے زیادہ ہوگا تو وہ اسے اپنے سر سے اتار پھینکنے اور دوسرے پر تھوپنے کی ہر طریقے سے کوشش کرے گا، قرآن پاک کا یہ اصول کئی جگہوں پر بیان ہوا ہے اور کہا گیا ہے:

”اپنے نفس پر اپنے آپ اتنا بوجھ مت ڈالو جو تمھاری وسعت اور استعداد سے زیادہ ہو“

اللہ تعالیٰ بھی کسی بندے کو اس کی وسعت اور استعداد سے زیادہ مکلف نہیں بناتا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا۔

(پ۳،ع۷، سورہ بقرہ)

اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر۔(کنزالایمان)

ایک دوسری جگہ پر ہے:

لا تکلف نفس الا وسعھا.

(پ۲،ع۱۳، سورہ بقرہ، آیت ۲۳۲)

کسی جان پر بوجھ نہ رکھا جائے گا مگر اس کے مقدور بھر۔

(کنزالایمان)

نکاح مذہب اسلام میں صرف مرد و عورت کے درمیان ایک معاہدہ اور ایجاب و قبول نہیں ہے بلکہ اسلام اور اسلامی شریعت کے مطابق نکاح کا درجہ عبادت کا درجہ ہے، نکاح کرنا، نکاح کے حقوق ادا کرنا اور اولاد کی تربیت میں مشغول رہنا نوافل عبادات میں مشغول رہنے سے کہیں بہتر ہے، نکاح کا درجہ اتنا بڑا ہے کہ رحمت دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔

(بخاری شریف ج۲،ص ۷۵۸،کتاب النکاح)

نکاح میری سنت ہے اور جس نے میری اس سنت سے منھ موڑا وہ مجھ میں سے نہیں ہے، دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔ النکاح نصف الایمان۔ نکاح نصف ایمان ہے۔

نکاح کو ایمان کا جزاور عبادت کا درجہ اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ سماج میں غیر شادی شدہ لوگوں سے جو برائیاں کسی وجہ سے پیدا ہو سکتی ہیں نکاح سماج کو ان تمام برائیوں سے روکتا ہے نکاح کے بعد انسان کی نظریں محفوظ رہتی ہیں جس کی بدولت شرم گاہوں کی حفاظت ہوتی ہے کیوں کہ بد نظری ہی عموماً غلط کاریوں کی پہلی سیڑھی اور اوّل زینہ ہوا کرتی ہے جس کی بدولت فحش کاریوں کے تمام دروازے کھلتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے۔ آقائے دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یا معشر الشباب من السطتاع منکم الباۃ فلیتزوج فانه اغض للبصر واحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیه بالصوم فان له وجاء.(صحیح البخاری ج۲، ص۷۵۷، کتاب النکاح)

اے جوانو! تم میں جو کوئی نکاح کی استطاعت رکھتا ہے وہ نکاح کرے کہ یہ اجنبی عورت کی طرف نظر کرنے سے نگاہ کو روکنے والا ہے اور شرم گاہ کی حفاظت کرنے والا ہے اور جسمیں نکاح کی استطاعت نہیں وہ روزے رکھے کہ روزہ قاطع شہوت ہے۔

قرآن کا منشا یہ ہے کہ میاں بیوی کے درمیان نکاح کا یہ رشتہ خوشگوار فضا اور پاکیزہ ماحول میں زندگی بھر چلتا رہے، یہ مستحکم اور پاکیزہ رشتہ ساری زندگی قائم و دائم رہے، نکاح ایک ایسا رشتہ نہیں ہے کہ جسکو جس وقت آپ چاہیں توڑ دیں اس لیے اسلام نے بھی طلاق کو ناپسند کیا ہے،

استاذ و مفتی ادارۂ شرعیہ اترپردیش، رائے بریلی
kamalmisbahi786@gmail.com

لیکن اس کے باوجود زندگی کے پڑاؤ میں کبھی بھی کسی وقت بھی میاں بیوی کے درمیان ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ باوجود لاکھ کوششوں کے ناخوشگواری اور نااتفاقی اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ اب یہ رشتے قائم رکھنا دونوں کے اوپر بیجا بوجھ محسوس ہونے لگتا ہے جس کی وجہ سے بیوی کو شوہر کے ساتھ اور شوہر کو بیوی کے ساتھ جو ایک ساتھ پوری زندگی گزارنے کا عہد وپیمان اور جذبہ رکھتے تھے اب چند لمحہ بھی گزارنا دشوار گزار ہو جاتا ہے ، ایسی صورت میں ان مصیبتوں سے نجات اور چھٹکارا پانے کے لیے شریعت اسلامیہ نے طلاق کی صورت رکھی ہے ، اس لیے طلاق کی حیثیت محض اجازت کی ہے اور اگر بے وجہ شرعی ہو تو اس کی بھی ممانعت ہے، طلاق ازدواجی زندگی کا ایک ایسا آخری ناخوشگوار عمل ہے جسکو اسلام نے ایک قبیح اور مبغوض عمل قرار دیا ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: الطلاق ابغض المباحات۔ جائز چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز خدا کے نزدیک طلاق ہے۔ (ابوداؤد بروایت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

ذیل میں طلاق، مہر اور عدت سے متعلق کچھ بنیادی باتیں پیش کی جاتی ہیں، ان کے بعد اصل موضوع پر گفتگو ہے اور آخر میں سپریم کورٹ کے شریعت مخالف فیصلوں کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔

طلاق کی تعریف اور اس کے اقسام:

طلاق کی تعریف: نکاح سے عورت شوہر کی پابند ہو جاتی ہے اس پابندی کے اٹھا دینے کو طلاق کہتے ہیں۔

طلاق کے اقسام: طلاق کی تین قسمیں ہیں :

(۱) حسن، (۲) احسن، (۳) بدعت

طلاق احسن : جس طہر میں وطی نہ کی ہو اس میں ایک طلاق رجعی دینا اور چھوڑے رہنا یہاں تک کہ عدت گزر جائے یہ طلاق احسن ہے۔

طلاق حسن : غیر موطوہ کو طلاق دینا اگرچہ حیض کے دنوں میں دی ہو یا موطوہ کو تین طہر میں تین طلاقیں دینا بشرطیکہ ان طہروں میں وطی نہ کی ہو یا تین مہینے میں تین طلاقیں اس عورت کو دینا جسے حیض نہیں آتا ہے ، جیسے نابالغہ اور حمل والی اور ایاس کی عمر کو پہنچنے والی ، یہ سب صورتیں طلاق حسن کی ہیں۔

یہ دونوں صورتیں یعنی طلاق حسن اور احسن جائز اور بہتر ہیں۔

طلاق بدعی: ایک طہر میں دو یا تین طلاقیں دینا تین دفعہ میں یا دو دفعہ میں دینا یا ایک ہی دفعہ میں دے دینا خواہ تین بار لفظ طلاق کہنا یا یوں کہہ دینا کہ تجھے تین طلاق دی ، یا جس طہر میں وطی کر چکا ہے اس میں ایک طلاق دینا، یا طہر میں طلاق بائن دینا، یہ سب صورتیں طلاق بدعت کی ہیں ، جو ناجائز ہیں اور طلاق دینے والا گنہگار ہوگا۔ ہدایہ کتاب الطلاق میں ہے:

الطلاق علی ثلثه اوجه حسن و احسن و بدعی فا لا حسن ان یطلق الرجل امرأته تطلیقة واحدة فی طهر لم یجا معها فیه ویترکها حتی تنقضی عدتها والحسن هو طلاق السنة وهو ان یطلق المد خول بها ثلثا فی ثلثة اطهار و طلاق البدعة وهو ان یطلق ثلثا بکلمة واحدة او ثلث فی طهر واحد فاذا فعل ذلك وقع الطلاق وکان عاصیا والسنة فی الطلاق من وجهین سنة فی الوقت وسنة فی العدد فالسنة فی العدد یستوی فیها المدخول بها وغیر المدخول بها والسنة فی الوقت یثبت فی المد خول بها خاصة وهو ان یطلقها فی طهر لم یجا معها فیه۔ اه ملتقطاً۔

(هدایه اولین ص ٢٣٤)

(فراغت حیض کے بعد پاکی کے زمانہ کو طہر کہتے ہیں۔)

طلاق کے احکام:

طلاق تین طرح کی ہوتی ہیں:

(۱) رجعی، (۲) بائنہ، (۳) مغلظہ

طلاق رجعی: ایک یا دو طلاقیں رجعی ہیں، رجعی طلاقوں میں عورت جب تک طلاق کی عدت میں رہتی ہے اس کے شوہر کو رجوع کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے، خواہ عورت رجعت کے لیے رضامند ہو یا رضامند نہ ہو، اسمیں دوبارہ نکاح کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

طلاق بائن : عورت کو مبہم الفاظ (الفاظ کنایہ) سے طلاق، طلاق بائنہ ہے، ایسے ہی عورت کو بائنہ کہنے سے بھی طلاق بائنہ ہو جاتی ہے۔

طلاق بائنہ میں مطلقہ عورت سے رجعت کرنا جائز نہیں ، اگر اس کو رکھنے کا ارادہ ہو تو دوبارہ نکاح کرنا لازم ہے البتہ حلالہ کی شرط نہیں ہے۔

طلاق مغلظہ: تین طلاقیں خواہ ایک لفظ میں ہوں یا الگ الگ

الفاظ میں، ایک ساتھ ہوں یا جدا جدا ہوں، طلاق مغلظہ ہیں۔

اس میں رجعت بھی نہیں ہو سکتی ہے اور دوبارہ نکاح بھی کافی نہیں ہے بلکہ اس میں اسی عورت کو دوبارہ رکھنے کے لیے حلالہ کی ضرورت ہے۔

حلالہ کی صورت: حلالہ کی صورت یہ ہے کہ مطلقہ عورت طلاق کی عدت گزار کر دوسرے بالغ یا قریب بلوغ مرد سے نکاح صحیح کرے پھر وہ بھی صحبت کر کے طلاق دے پھر اس طلاق کی عدت گزار کر وہ مطلقہ عورت پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح کرے۔

طلاق دینے کا مسنون طریقہ :

طلاق دینے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ شوہر اپنی منکوحہ بیوی کو ایک طلاق طہر کی حالت میں دے اور اسکو عدت کے وقت تک چھوڑے رہے یہاں تک کہ اس کی عدت گزر جائے پھر جب عدت کا وقت ختم ہونے کے قریب آئے اگر اسے رکھنے کا ارادہ ہو تو خوش دلی کے ساتھ رجعت کر لے اور اگر بوجھ محسوس ہونے لگے تو حسن سلوک کے ساتھ اسے رخصت کرے اور دوسرے طہر میں دوسری طلاق دے اور عدت تک چھوڑ دے، جب عدت ختم ہونے کے قریب آئے اگر دل میں اب بھی اس کے لیے کوئی نرم گوشہ موجود ہو تو خوش دلی کے ساتھ اس سے رجعت کر لے اور اپنے پاس رکھ لے، اگر عدت پوری ہونے کے بعد اپنی غلطی کا احساس ہو اور اسے پھر سے رکھنے کا ارادہ ہو تو اس بات کی بھی اجازت ہے کہ عدت پوری ہونے کے بعد اپنی اسی مطلقہ بیوی سے دوسرا نکاح کر کے اسے اپنے پاس رکھ لے، اور اگر نہ رکھنے کا ارادہ ہو تو عدت ختم ہونے کے بعد تیسرے طہر میں تیسری طلاق دے اور حسن سلوک کے ساتھ بیوی کو رخصت کر دے، تیسرے طہر میں تیسری طلاق دینے کے بعد اب وہ اپنے شوہر کے لیے حلالہ کیے بغیر کسی طرح بھی حلال نہیں۔ طلاق دینے کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس میں جو ہمیں تعلیم دی ہے وہ یہ ہے۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

الطلاق مرتٰن فامساك بمعروف او تسريح باحسان ط فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره ؛ فان طلقها فلا جناح عليهما ان يتراجعا ان ظنا ان يقيما حدود الله وتلك حدود الله يبينها لقوم يعلمون (پ ۲ ، ع ۱۲، سورہ بقرة)

ترجمہ: طلاق (جس کے بعد رجعت ہو سکے) دو بار تک ہے پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یا نکوئی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے، پھر اگر تیسری طلاق دی تو اس کے بعد وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے شوہر سے نکاح نہ کر لے پھر اگر دوسرے شوہر نے طلاق دے دی تو ان دونوں پر گناہ نہیں یہ دونوں آپس میں نکاح کر لے اگر یہ گمان ہو کہ اللہ کے حدود کو قائم رکھیں گے اور یہ اللہ کی حدیں ہیں ان لوگوں کے لیے بیان کرتا ہے جو سمجھدار ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فامسكوهن بمعروف او سرحوهن بمعروف ولا تمسكوهن ضراراً لتعتدوا ومن يفعل ذالك فقد ظلم نفسه ولا تتخذوا ايت اﷲ هزوا واذكروا نعمت اﷲ عليكم وما انزل عليكم من الكتاب والحكمة يعظكم به واتقوا اﷲ واعلموا ان اﷲ بكل شئى عليم۔ (پ ۲ ، ع ۱۲، سورہ بقرة)

ترجمہ: اور جب عورتوں کو طلاق دو اور ان کی معیاد پوری ہونے لگے تو انہیں بھلائی کے ساتھ روک لو یا خوبی کے ساتھ چھوڑ دو اور انہیں ضرر دینے کے لیے نہ روکو کہ حد سے گزر جاؤ اور جو ایسا کرے گا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا اور اللہ کی آیتوں کو ٹھٹھا نہ بناؤ اور اللہ کی نعمت جو تم پر ہے اسے یاد کرو اور اس نے جو کتاب و حکمت تم پر اتاری تمہیں نصیحت دینے کو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ ہر شے کو جانتا ہے۔

حیض کی حالت میں اور ایک ساتھ تین طلاق دینے کا حکم :

عورت جب حیض کی حالت میں ہو اس وقت یا ایک ساتھ تین طلاق حیض کی حالت میں ہو یا طہر کی حالت میں ہو ایک کلمے میں ہوں یا تین لفظوں میں ہوں دینا ناجائز و حرام ہے، لیکن اگر کسی نے ایسا کر دیا تو تین طلاق واقع ہو جائیں گی اور عورت کے لیے حرمت غلیظہ ثابت ہوگی۔ حدیث شریف میں ہے:

”حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حالت حیض میں اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر ہوگئی، آپ نے ان پر غضب فرمایا اور ارشاد فرمایا اے ابن عمر! اس سے رجعت کر لے اور روکے رکھے یہاں تک کہ پاک ہو جائے پھر حیض آئے اور پاک ہو جائے اس کے بعد اگر طلاق دینا چاہے تو طہارت کی حالت میں جماع سے

پہلے طلاق دے۔" (بخاری ج۲، ص۷۵۹، کتاب الطلاق)

نسائی میں ہے:

محمود ابن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کو تین طلاق ایک ساتھ دے دیں، اس کو سن کر حضور ﷺ غصہ میں کھڑے ہوگئے اور یہ فرمایا کہ کتاب اللہ سے کھیل کرتا ہے حالاں کہ میں تمھارے اندر ابھی موجود ہوں۔ (نسائی شریف)

مطلقہ عورتوں کے اقسام واحکام:

مطلقہ عورتیں چار قسم کی ہوتی ہیں۔

۱۔ ایک وہ جن کا مہر بوقت نکاح مقرر ہوا ہو اور بعد صحبت یا خلوت صحیحہ طلاق دی گئی ہو۔ ایسی عورتوں کو بعد طلاق مہر دینا واجب اور کپڑوں کا ایک جوڑا (ایک قمیص، ایک دوپٹہ اور سر سے پیر تک ایک لمبی چادر) دینا مستحب ہے۔

۲۔ دوسرے وہ جن کا مہر مقرر نہ ہوا ہو اور بغیر صحبت یا خلوت صحیحہ کے طلاق دی گئی ہو، ان کا مہر کچھ بھی نہیں اور صرف جوڑا دینا واجب ہے۔

۳۔ تیسرے وہ جن کا مہر مقرر ہوا ہو مگر صحبت کے بعد طلاق دی گئی ہو ایسی عورتوں کو نصف مہر دیا جائے گا۔

۴۔ چوتھے وہ جن کا مہر تو مقرر نہ ہوا ہو مگر صحبت کے بعد طلاق دی گئی ہو ایسی عورتوں کو مہر مثل ملے گا جو اس کے خاندان میں بندھتا ہو۔

مہر کے اقسام واحکام: مہر کی کل تین قسمیں ہیں :

(۱) مہر معجّل کہ خلوت سے پہلے مہر دینا قرار پایا ہو۔

(۲) مہر مؤجل جس کے لیے کوئی معیاد مقرر ہو۔

(۳) مہر مطلق جس میں نہ تو خلوت سے پہلے مہر دینا قرار پایا ہو اور نہ ہی اس کے لیے کوئی معیاد مقرر ہو۔

مہر معجّل کے احکام:

☆ مہر معجّل ہونے کی صورت میں عورت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ جب تک مہر وصول نہ کر لے شوہر کو وطی اور مقدمات وطی سے باز رکھے اور شوہر کو حلال نہیں کہ عورت کو مجبور کرے اگر چہ اس سے قبل عورت کی رضامندی سے وطی و خلوت ہو چکی ہو، یعنی یہ حق مہر جب تک وصول نہ کر لے عورت کو ہمیشہ حاصل ہے۔

☆ اگر شوہر عورت کو سفر میں لے جانا چاہتا ہے تو عورت انکار کر سکتی ہے۔

☆ مہر معجّل لینے کے لیے عورت اگر وطی سے انکار کرے تو اس کی وجہ سے نفقہ ساقط نہ ہوگا۔

☆ مہر معجّل ادا نہ کرنے کی صورت میں عورت بلا اجازت شوہر گھر سے باہر بلکہ سفر میں بھی جا سکتی ہے جب کہ ضرورت سے ہو۔

(بہار شریعت ج/۸، ص/۶۵)

مہر مؤجل کے احکام:

☆ اگر مہر مؤجل یعنی معیادی ہے اور معیاد مجہول ہے تو مہر فوراً دینا واجب ہے۔ ہاں اگر موجل ہے اور معیاد یہ ٹھہری کہ موت یا طلاق پر وصول کرنے کا حق ہے تو جب تک موت یا طلاق واقع نہ ہو عورت مہر وصول نہیں کر سکتی اور طلاق یا موت واقع ہوئی تو اب یہ بھی معجّل ہو جائے گا یعنی فی الحال مطالبہ کر سکتی ہے اگر چہ طلاق رجعی ہو مگر رجعی میں رجوع کے بعد پھر موجل ہو جائے گا۔

☆ مہر مؤجل اگر معیادی ہو اور اس کی معیاد پوری ہو جائے تو عورت اپنے مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے اگر شوہر مہر نہ دے تو صحیح یہ ہے کہ وہ اس کے لیے اپنے نفس کو نہیں روک سکتی ہے۔

مہر مطلق کے احکام:

مہر مطلق کا مدار عرف اور عادت پر ہے جس خطہ میں عام طور پر یہ رواج ہو کہ مثلاً کل یا نصف یا کسی قدر پیشگی لیتے ہیں تو وہاں اتنی پیشگی دینا ہوگا اور جہاں عرف یہ ہے کہ موت یا طلاق کے بغیر لینا دینا نہیں ہوتا جیسا کہ عام طور پر ہندوستان میں اسی کا رواج ہے وہاں جب تک زوجین میں سے کسی کا انتقال یا طلاق واقع نہ ہو مطالبہ کا اختیار نہ ہوگا۔ (فتاویٰ رضویہ ج/۵، ص/۳۱۶)

مطلقہ عورتوں کے سامان جہیز کا حکم:

طلاق کے بعد عورت جہیز کا سارا سامان پانے کی مستحق ہے کیوں کہ جہیز خاص ملک عورت ہے دوسرے کا اس میں کوئی حق نہیں ہوتا۔ علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

كل احد يعلم ان الجهاز ملك المرأة لا حق لا حد فيه۔ (رد المحتار باب الجهاز)

اگر چہ شوہر جہیز کا مطالبہ کرتا ہے لیکن پھر بھی عورت ہی اس کا مستقل مالک ہوتی ہے، جہیز نام ہی ہے ان سامانوں کا جو نکاح کے وقت بطور تملیک دلہن کے ساتھ بھیجا جاتا ہے۔ شوہر پر واجب اور ضروری

ہے کہ مطلقہ عورت کواگر مہر کی رقم نہیں دی ہے تو مہر کے ساتھ ساتھ اس کے جہیز کا پورا سامان بھی واپس کردے۔ ردالمحتار میں ہے:

کل احد یعلم ان الجھاز للمرأۃ اذا طلقھا تا خذہ کلہ اذا ماتت یورث عنھا

(رد المحتار ج/۳، ص۱۵۸)

البتہ کپڑا اور روپیہ وغیرہ جو کہ دلہن کی طرف سے دولہا کے مکان پر بطور لگن آتا ہے دولہا بعد قبضہ اس کا مالک ہو جاتا ہے طلاق کے بعد مطلقہ عورت ان کو واپس لینے کا حقدار نہیں ہے۔

منگنی اور شادی کے اخراجات کا حکم:

منگنی اور شادی کے وقت باراتیوں اور مہمانوں کو کھانا کھلانے اور دیگر انتظام وانصرام میں جو اخراجات ہوتے ہیں، مطلقہ عورت یا اس کے گھر والے بعد طلاق ان کا معاوضہ ہرگز نہیں لے سکتے، شرعاً ان کی حیثیت تبرع کی ہیں ان کا معاوضہ مانگنا جائز نہیں، یوں ہی شوہر یا اس کے گھر والے بھی شادی کے وقت کے اخراجات کو جہیز کے سامان یا مہر کی رقم میں وضع نہیں کر سکتے۔

مطلقہ عورتوں کے زیورات کا حکم:

منگنی یا شادی کے موقع سے سسرال والوں کی طرف سے مطلقہ عورت کو جو زیورات ملے تھے ان کا مالک اس کا شوہر ہوتا ہے، مطلقہ عورت پر ان زیورات کا لوٹانا واجب ہے سسرال کی طرف سے ایسے موقع سے زیورات عاریتاً یعنی صرف استعمال کے لیے دیے جاتے ہیں، ہندوستان کا عام رواج یہی ہے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی فرماتے ہیں:

زیور وغیرہ کہ والدین زوج اپنی بہو کو پہننے برتنے کے لیے بناتے ہیں جس میں نصاباً عرفاً کسی طرح مالک کر دینا مقصود نہیں ہوتا وہ بدستور ملک والدین پر ہے بہو کا اس میں کچھ حق نہیں۔

(فتاویٰ رضویہ ج/۵، ص/۵۳۳)

البتہ اگر سسرال والوں نے ان زیورات کو بہو کو دیتے وقت ان کا مالک بنا دیا تھا تو ایسی صورت میں بعد طلاق ان زیورات کو اس کے سسرال والے واپس لینے کے حق دار نہیں کہ یہ خاص اس کی ملکیت ہے۔

مطلقہ عورتوں کی عدت کے ایام:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع سے ذرا مطلقہ عورت کی عدت اور عدت کے ایام کی بھی کچھ وضاحت کر دی جائے تاکہ نفس مسئلہ کو سمجھنے میں اور آسانی ہو جائے۔

مطلقہ حائضہ کی عدت: نکاح زائل ہونے یا شبہ نکاح کے بعد عورت کا نکاح سے ممنوع ہونا اور ایک زمانے تک انتظار کرنا عدت کہلاتا ہے۔ مطلقہ عورت اگر حیض والی ہے تو اس کی عدت تین حیض ہے اور یہ جو عوام میں مشہور ہے تین ماہ تیرہ دن ہے یہ بالکل ہی غلط اور جہالت پر مبنی ہے، تین حیض خواہ تین مہینے میں آئے یا ایک سال میں آئے یا تین سال میں یا تین مہینے سے کم میں آئے، پھر اگر کسی نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی تو یہ حیض عدت میں شمار نہ کیا جائے گا بلکہ اس کے بعد پورے تین حیض ختم ہونے پر عدت پوری ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

والمطلقت یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء

(سورۃبقرہ، آیت ۲۲۸)

اور طلاق والیاں اپنی جانوں کو روکے رہیں تین حیض تک۔

(کنزالایمان)

مطلقہ غیر حائضہ کی عدت: جن عورتوں کو خردسالی یا کبرسنی یعنی عمر تو بلوغ کو آگیا مگر ابھی حیض شروع نہیں ہوا یا عورت بوڑھی ہو جانے کی وجہ سے سن یاس تک پہنچ گئی ہو اور حیض کا خوں آنا بند ہو گیا ہو تو ایسی مطلقہ عورتوں کی عدت تین مہینے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

والئی یئسن من المحیض من نسا ئکم ان ارتبتم فعد تھن ثلثۃ اشھر والّٰئی لم یحضن

(پ ۲۸/ع/۱۶،سورہ طلاق، آیت/۵)

اور تمھاری عورتوں میں سے جو حیض سے ناامید ہو گئیں اگر تم کو کچھ شک ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور ان کی بھی جنھیں ابھی حیض نہیں آیا ہے۔

مطلقہ حاملہ کی عدت: اور جن مطلقہ عورتوں کو حمل ہے ان کی عدت یہ ہے کہ وہ حمل جن لیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن

(پ ۲۸، ع ۱۶، سورہ طلاق)

اور حمل والیوں کی معیاد یہ ہے کہ وہ اپنا حمل جن لیں۔

(کنزالایمان)

....(جاری)

فکر و نظر

دھلی اسٹیٹ حکومت

اپنے طے شدہ مقاصد میں کامیاب ہے یا نہیں؟

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم ارباب قلم اور علمائے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ از: مبارک حسین مصباحی

جون ۲۰۱۵ء کا عنوان — رمضان المبارک عبادت و ریاضت کا مقدس مہینہ

جولائی ۲۰۱۵ء کا عنوان — وزیر اعظم کے غیر ملکی دورے ہند کے لیے مفید یا مضر؟

اروند کیجری وال۔ مژگاں تو کھول شہر کو سیلاب لے گیا

صفدر امام قادری، کالج آف کامرس، پٹنہ۔ safdarimamquadri@gmail.com

دہلی کے اسمبلی انتخابات میں غیر متوقع کامیابی کے بعد سے ہی ہمیں ایسی توقع ہونے لگی تھی کہ عام آدمی پارٹی اس فتح یابی کو آسانی سے سنبھال نہیں سکے گی اور ایسا نہ ہو کہ پارٹی کو اس کے لیے لینے کے دینے پڑ جائیں۔ نریندر مودی کے کلیجے پر مونگ دلتے ہوئے جس طرح عام آدمی پارٹی نے شہہ زور بھارتیہ جنتا پارٹی کو اس کی ناک کے نیچے اوقات بتادی، اس سے پورے ملک میں نئی سیاست اور خاص طور پر غیر بھاجپائی، غیر کانگریسی سیاست کی ایک واضح شکل سامنے آ رہی تھی۔ لیکن سچ یہ ہے کہ ہار اور جیت دونوں میں سیاسی جماعتوں میں اگر توازن اور اگلے کاموں کی تیاری نہ ہو تو آنے والے دن مزید مشکل ہوتے ہیں۔ بھارتیہ جنتا پارٹی نے پارلیمنٹ میں اپنی زبردست کامیابی کے بعد اپنے حواس نہیں کھوئے لیکن گیارہ مہینوں میں کانگریس اپنی مثالی شکست سے جس علاحدگی اور فرار کے راستے تک پہنچی، وہاں سے وہ واپس نہیں آسکی۔ اروند کجریوال کی پارٹی نے دلی میں اپنی محنت جاری رکھی اور بھاجپا یا کانگریس کی طرح سے دکھاوے کی سیاست سے الگ تھلگ اپنے ووٹوں پر توجہ کی اور کامیابی ایسی ہاتھ آئی جس کے بارے میں اس کے کسی کارکن نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔

دلی میں دوسری بار اپنی سرکار بنانے کے ایک مہینے بھی پورے نہ ہوئے لیکن عام آدمی پارٹی میں جو بھونچال آیا ہوا ہے، اس کی شدت میں روزانہ اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور اس کا دائرۂ کار بھی بہ تدریج وسیع ہوا ہے۔ کہنا چاہیے کہ رفتہ رفتہ عام آدمی پارٹی کی قومی سیاست پر اس کے اثرات پڑیں گے۔ دلی کی حکومت تو نوے فی صدی پتھر اپنے حصے میں قبول کرنے کے لیے مجبور رہے ہی۔ اس بات کے بھی واضح امکانات ہیں کہ ان تنازعات کی بدولت عام آدمی پارٹی کا فاتحانہ رتھ کہیں تھم نہ جائے اور دلی کے اثرات اور خوابوں کو لے کر جو لوگ دوسرے صوبوں میں کچھ نئی طرح کی سیاست کی تیاری میں تھے، انھیں بڑا دھکا لگے گا۔

سیاسی مبصرین اور ہندستان میں مختلف سیاسی جماعتوں کے عروج و زوال کے واقف کار عام آدمی پارٹی کے اس بھونچال کا واقعتاً انتظار کر رہے تھے۔ سوا سو برس سے زیادہ عمر کی انڈین نیشنل کانگریس جب اپنی شکست کا صحیح تناظر میں تجزیہ کر کے نئی حکمتِ عملی کے ساتھ آگے بڑھنے کا کوئی لائحہ عمل اختیار نہیں کر پا رہی ہے تو جمعہ جمعہ آٹھ دن کی سیاسی جماعت کے لیے بھی یہ آسان نہیں ہوگا کہ وہ اپنی حیرت انگیز فتح یابی سے لیڈران اور کارکنوں کا ذہنی توازن سنبھال پائیں گے۔ دو سال کی سیاسی پارٹی کے پاس تاریخ کے نام پر دہلی میں دو تین بڑے دھرنے اور چند اعلانات کے علاوہ کچھ زیادہ نہیں ہے۔ ملک اور دنیا کے بارے میں نہ کوئی ٹھوس منشور

اس دوران ابھر کر سامنے آیا اور نہ ہی ستیہ اور ستیاگرہ کا مجاہدہ کر پانے کی ان میں اہلیت شاید ہی تھی۔

عام آدمی پارٹی میں جو جوتم پیزار مچا ہوا ہے، اس کی جانچ پرکھ کے پہلے اس کے قائدین کی سیاست اور نقطۂ نظر کو سمجھ لینا چاہیے۔ اس پارٹی کے صف اول میں جو چہرے نظر آرہے ہیں، ان میں سے اکثر وہ لوگ ہیں جو "یوتھ فار ایکوئلیٹی" کے نام سے پسماندہ طبقات کو مراعات دینے کے حکومتِ ہند کے فیصلے کے خلاف دہلی کی سڑکوں پر اترے تھے۔ بے روزگار نوجوانوں کے دماغ میں اپنی قوم کے کمزور طبقوں کے خلاف نفرت بھرنے کے لیے یہ لوگ میدان میں آئے تھے۔ بین الاقوامی اور قومی فنڈ سے چلنے والی رضاکار تنظیموں (این۔جی۔او۔) کی پشت پناہی میں وہ تحریک پوری جذباتیت کے ساتھ ملک میں نفرت کی بنیادیں قایم کرنے میں مشغول تھیں۔ ایک معصوم بچے نے بے وجہ اپنی جان دے دی، اس کے باوجود ملک کو سمجھ میں آیا کہ اس نفرت کی کھیتی سے کسی کو بھی کوئی فائدہ نہیں ملنا ہے۔

انا ہزارے کی ذاتی حیثیت اور گاندھیائی انداز ہر اعتبار سے قابل اتباع ہے لیکن بدعنوانی کے خلاف جب انھوں نے جنتر منتر اور رام لیلا میدان میں اپنا احتجاج بلند کیا تو وہاں ستیہ، اہنسا اور ستیاگرہ کا روزانہ ستیاناس ہوتے ہوئے دیکھا گیا۔ سب سے پہلے بھارتیہ جنتا پارٹی کے لیڈروں نے خون لگا کر اس شہادت میں اپنا نام درج کرایا۔ پہلی فرصت میں بھاجپا نے کانگریس حکومت کے خلاف اس احتجاج کو اپنی مٹھی میں قید کرنا چاہا، اس کے بعد سے بھاجپا نے اس ایجنڈے سے خود کو کبھی پیچھے نہیں کیا اور سرکار بنانے میں کامیاب ہوگئی۔ تحریک انا ہزارے کی تھی لیکن مقصد بھاجپا نے سادھا۔ انا ہزارے کے ساتھ منچ پر لگاتار بیٹھنے والے اور تصویر کھنچوانے لوگ دھیرے دھیرے بھارتیہ جنتا پارٹی میں شریک ہوتے گئے اور پارلیمنٹ کے ممبر، منسٹر اور وزیر اعلا کے امیدوار تک بن کر ابھرے۔ سوال یہ ہے کہ عام آدمی پارٹی بننے کے درمیان اس تحریک کا اگر ایک مقصد ہندستان کی فرقہ وارانہ سیاست کو مضبوط کرنا نہیں تھا تو ایسے نتائج ان کی گود میں سے ہی کیوں برآمد ہوتے چلے گئے؟

ایک تحریک اور اس سے پیدا شدہ میڈیا کے بھرپور تعاون سے جو عوامی شراکت سامنے آئی، اس کے جوش میں انا ہزارے تو متوازن تھے لیکن اروند کجریوال نے اعلان کر دیا کہ وہ سیاسی پارٹی بنائیں گے۔ ان کا خیال تھا کہ الیکشن لڑنے اور حکومت اپنے ہاتھ میں لیے بغیر ان سوالوں کو حل نہیں کیا جا سکتا ہے جن کے لیے وہ اور ان کے ساتھی تحریک چلا رہے تھے۔ وہ جب پارٹی بنا رہے تھے تو انا ہزارے کے اَن شن کے دو بنیادی ساتھی واضح طور پر ان سے اختلاف کر رہے تھے۔ انا ہزارے نے خود کو اس سیاست سے الگ رکھا اور اس وقت کرن بیدی نے بھی پارٹی بنانے کی مخالفت کی تھی۔ لیکن ڈیڑھ برس میں وہ سیدھے بھارتیہ جنتا پارٹی کی سیاست کا حصہ بن گئیں۔ انا ہزارے ابھی شاید عمر کی اس منزل میں ہیں کہ وہ سرگرم سیاسی جماعت کا حصہ بننے سے گریز کریں۔

اس تحریک میں ہی سیاسی مشاہدین کو اروند کجریوال کی بے مہار سیاست کا اندازہ ہو گیا تھا۔ وہ جمہوری تقاضوں کو نہیں مانتے ہیں اور عوامی طور پر فیصلے سنانے کے عادی ہیں۔ ان کا سابق پیشہ بھی انھیں اسی راستے کا مسافر بنانے کے لیے کافی رہا ہے۔ کسی نوکر شاہ کو آسانی سے یہ بات سمجھ میں نہیں آسکتی کہ کوئی دوسرا اس سے زیادہ سوجھ بوجھ والا آدمی ہو سکتا ہے اور یہ بھی سچائی ہے کہ نوکر شاہ کو اپنے فیصلے نافذ کرنے اور کرانے کی عادت ہوتی ہے۔ یہ دونوں باتیں جمہوری تقاضوں میں یقین نہیں رکھنے والی جماعت کی پہچان کے لیے یاد کی جا سکتی ہیں۔

عام آدمی پارٹی بنی اور اس نے پہلی بار سرکار بنائی، اس سلسلے میں اروند کجریوال اور ان کے ساتھیوں نے سیاست کے نام پر جتنی نوٹنکیاں کی ہیں، وہ ہندستانی سیاست کی تاریخ میں سیاہ لفظوں میں لکھے جانے والے واقعات ہیں۔ اروند کجریوال پہلے ہر بات میں یہی کہتے سنے جاتے تھے کہ وہ دلی کی جنتا سے پوچھیں گے اور تب فیصلہ لیں گے۔ یہ ہر موقعے سے ان کا اپنے سیاسی حریفوں اور پارٹی کے اندر مختلف خیال رکھنے والے افراد سے لوہا لینے کی ایک حکمت عملی تھی۔ تین لاکھ ایس۔ ایم۔ ایس۔ آگئے تو ہم نے مان لیا کہ دلی کے لوگ ہمیں فلاں کام کی اجازت دے رہے ہیں۔ یہ سیاست کا وہ چور دروازہ تھا جسے ٹکنالوجی کا بہترین استعمال کرنے والی عام آدمی پارٹی نے تلاش و تحقیق کے بعد حاصل کیا تھا اور اروند کجریوال نے اپنی پارٹی پر اسی کے سہارے اپنی گرفت مضبوط کی۔

قارئین کو یہ بات خوب اچھی طرح سے یاد ہوگی کہ انا ہزارے کے نام پر جو پہلی کمیٹی کانگریس وزارت سے ملنے کے لیے بنائی گئی تھی، اس میں جمہوری تقاضوں کی مکمل طور پر ان دیکھی ملاحظہ کی گئی۔ ملک کی کسی بڑی تحریک کے دس نمایندوں کی کمیٹی بنے لیکن اس میں ایک باپ اور ایک بیٹے کو جگہ مل جائے، کیا یہ کوئی خاندانی یا مقامی قسم کی کوئی تحریک تھی؟ جب ان ارکان کی ذاتی پونجی کی تفصیل اخباروں میں شایع ہوئی تو یہ بات معقول تھی کہ انا ہزارے کے پاس کل جمع

پونجی پچاس ہزار سے بھی کم تھی لیکن اسی کے ساتھ کروڑ پتی افراد کی تعداد اس میں زیادہ تھی جس سے یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ ملک کے دولت مند لوگ کچھ دوسرے مقاصد کے سبب بدعنوانی کو مہرہ بنا کر سیاست کرنے آئے ہیں۔ ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ کانگریس کی بدعنوانی کا چھوٹا اشتہار انا ہزارے اور اروند کجریوال سے سیکھ کر بابا رام دیو اور نریندر مودی نے جس طرح ملک کے ہر شہری کو پندرہ لاکھ مل جانے کے اعداد وشمار پیش کیے، اس دھوکے کا جواب اب بھارتیہ جنتا پارٹی کو دینا پڑ رہا ہے اور وزارتِ عظمیٰ بھی بچاو میں نہیں آپا رہی ہے۔

عام آدمی پارٹی کا انتشار اس لیے روز بہ روز بڑھتا جا رہا ہے کیوں کہ ان میں سے اکثر افراد کی سیاسی اور سماجی تربیت ہوئی ہی نہیں ہے۔ وہ اچانک لیڈر ہو گئے۔ ہندستان کا ٹیلی ویژن میڈیا ملک کے کسی موضوع پر ان کی الٹی سیدھی گفتگو سننے سنانے کے لیے تیار ہو گیا۔ یہ نرگسیت کسی کو سمجھ میں نہیں آئی۔ اروند کجریوال سے لے کر ایک چھوٹے ٹیلی ویژن باز لیڈر کو یہ سمجھ میں آنے لگا کہ قوم وملک کے ہر مسئلے پر وہ اپنی بات کہہ سکتا ہے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ مناظرہ اور مبارزت الگ شئے ہے اور سنجیدہ سیاسی گفتگو کا ڈھب مختلف ہوتا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ عام آدمی پارٹی چند دنوں کی نوجوانوں کی ہُلڑ پارٹی کی طرح سے ابھری اور اب بھی اسی انداز میں چل رہی ہے۔ گریلا انداز میں ووٹ حاصل کرنا اور اسی طرح سے پارٹی اور سرکار چلانا، اس کا اب بھی یہ طور قائم ہے۔ اسے سیاسی پارٹی کیوں کہا جائے؟

الیکشن کے دوران اروند کجریوال نے اپنے کارکنوں سے کہا کہ اگر کوئی مخالف تمھیں رشوت دیتا ہو تو تم پیسے لے لو لیکن ووٹ اسے مت دینا۔ ہندستانی سیاست کے اساتذۂ کرام ذرا اس بات پر غور کریں کہ کیا اس عوامی اعلان کا کوئی اخلاقی پہلو بھی تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ آزادی کی جنگ میں ہزار قربانیوں کے بعد گاندھی کی قیادت میں سیاست کے کچھ اصول ہم نے پیدا کیے تھے، اسے دوسری پارٹیوں نے بھی وقتاً فوقتاً خون کیا، کیا عام آدمی پارٹی نے بھی سیاست میں اسی طرح کی گندگی کی شمولیت کا مصمم ارادہ کر لیا تھا؟ اروند کجریوال نے اسٹنگ آپریشن کو ایک سیاسی ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے کے لیے عوام کو تیار کیا تھا۔ یہ بدعنوانی سے لڑنے کا ان کے پاس نسخۂ کیمیا تھا۔ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ان کی پارٹی کے چھوٹے بڑے لیڈروں نے ان کی اسٹنگ آپریشن کی اور ایسے ایسے بیان ٹیلی ویژن پر اروند کجریوال اور ان کی پارٹی کے بڑے لیڈروں کی آواز میں سنائے جا رہے ہیں جنھیں اخلاقیات کی مٹی پلید کرنے کے لیے ہی استعمال کیا جا سکتا تھا۔

عام آدمی پارٹی کا اعلان یہ تھا کہ وہ نئے انداز کی سیاست کرنے کے لیے میدان میں آئے ہیں۔ لیکن ابھی اروند کجریوال جس طرح بیمار پڑے اور پھر لمبی فرصت پہ علاج کے لیے دلی سے دور گئے، اس کے معالجانہ سے زیادہ سیاسی مقاصد واضح ہیں۔ دلی میں ان کے رہتے میں ہی سیاسی بھونچال مچنا شروع ہو گیا لیکن وہ صحت کا بہانہ بنا کر اپنے جونیئر کھلاڑیوں کے کاندھے پر رکھ کر بندوق کی گولیاں داغتے رہے۔ یہ پہلے کانگریس میں ہوتا تھا۔ لالو یادو پر جب مویشی گھوٹالے میں سی۔ بی۔ آئی۔ جانچ کا معاملہ طے ہو گیا تو عین موقعے سے ان کا پانوں ٹوٹ گیا اور دو مہینے کے لیے پلاسٹر لگ کر وہ بستر پر آ گئے۔ ہندستانی سیاست کا طالب علم اتنا سادہ نظر نہیں اور وہ اپنے سیاست دانوں کو بھی اتنا سرسری طور پر نہیں جانتا کہ وہ اس انداز کی صحت یابی کی کوشش کو صرف معالجانہ ترکیب مانے۔ اروند کجریوال نے شترمرغ کی طرح ریت میں اپنے سر گاڑ لیے اور سیاسی گھماسان میں جواب دہی سے بچنے کا ایک راستہ تلاش لیا۔ کل کبھی یوگیندر یادو اور ان کے دوسرے ساتھیوں سے تصفیہ ہو جائے تو اروند کجریوال کے لیے یہ آسانی بھی رہے گی کہ انھیں نکالنے میں ان کا نجی طور پر ہاتھ نہیں تھا۔ نئی سیاسی پارٹی اتنی جلدی پرانی پارٹیوں کا کھیل سیکھ لے گی، یہ ہمیں یقین نہیں آتا لیکن یہی ہو رہا ہے۔

عام آدمی پارٹی کے جو مسائل سامنے دکھائی دے رہے ہیں وہ چھوٹے ہیں اور ہوشیاری سے سمجھ بوجھ کے ساتھ تنظیمی ڈھانچے میں سلجھائے جا سکتے ہیں۔ لیکن بدنصیبی یہ ہے کہ اسی الجھن میں پارٹی مرمر کے جی رہی ہے۔ عام آدمی پارٹی کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ کوئی سنجیدہ سیاسی پارٹی نہیں ہے۔ اس کے اغراض ومقاصد ایسے ہرگز نہیں جن کی بنیاد پر وہ ملک کے طول وعرض میں لوگوں سے ووٹ مانگے اور اسے کامیابی ملے۔ ہندستان کی پیچیدہ سیاسی، سماجی، معاشی اور تہذیبی صورت حال میں کوئی کارگر رول انجام دینے کے بارے میں پوری پارٹی میں کوئی غور وفکر نہیں ہے۔ ہندستانی سیاست کا دایاں بایاں بھی اسے نہیں معلوم۔ اسی لیے کسی سے بھی سمجھوتے کر لیتے ہیں اور کسی سے بھی تعلق توڑ لیتے ہیں۔ انھیں چھوڑ کر ان کے ساتھی مخالفین کے لیڈر بن جاتے ہیں۔ مطلب صاف ہے کہ وابستگی اور کمٹمنٹ کے نام پہ سب کچھ صفر ہے۔ مفاد اور سیاسی اغراض اعلا ہیں۔ اتفاق سے جو کچھ بزرگ دانش ور طبقہ ان کے ساتھ آیا، وہ بھی انھیں ایک وسیع نقطۂ نظر سے کام کرنے کے لیے پابند عہد نہ کر سکا اور ذرا سی جمہوریت کی دہائی دینے کی کوشش کی تو باہر کا راستہ دکھا دینے میں

کوئی پس و پیش کرنے کی کسی کو ضرورت سمجھ میں نہ آئی۔ عام آدمی پارٹی کو افکار و نظریات اور سیاسی ایجنڈے کی سطح پر کچھ سیکھنے کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر ان کے کارکنان اور لیڈروں کی ہلڑبازی اور الٹے سیدھے بیانات نہ رکیں گے اور اروند کیجریوال پہلے سے بھی اپنے بھگوڑاپن کے شکنجے سے شاید ہی نکل سکیں۔ ایسے میں دلی میں بھی انھیں سرکار چلانے میں لاکھوں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ابھی ایک مہینے میں دلی سرکار نے ایک لفظ بھی کام نہیں کیا اور جشن منانے کے بجائے آپس میں جوتم پیزار کو ہی بنیادی ایجنڈا بنالیا۔ یہ سلسلہ بلاشبہ آگے بڑھے گا اگر عام آدمی پارٹی فکری اعتبار سے بالیدہ اور تنومند ہو کر سامنے نہیں آتی ہے اور تجربہ کار لوگوں کے انداز میں سرکار اور پارٹی چلانے کا تجربہ کر کے نہیں دکھاتی ہے۔ الیکشن کی جیت ایک حقیقت ہے لیکن وہی لوگ جوتے مار کر کتنی سرکاروں کو راندۂ درگاہ کر چکے ہیں۔ اروند کیجریوال زیادہ دن تک غفلت میں رہے تو میرؔ کے لفظوں میں ہمیں اس طور پر ماتم کرنا ہوگا:

کن نیندوں تو سوتی ہے اے چشمِ گریہ ناک
مژگاں تو کھول، شہر کو سیلاب لے گیا

کیا دہلی حکومت اپنے وعدے پورے کر سکے گی

صادق رضا مصباحی ممبئی sadiqraza92@gmail.com

سیاست اپنی نہاد میں کسی بھی قوم کی اجتماعی تقدیر، اجتماعی مفادات، اجتماعی بندوبست اور اجتماعی آرزوؤں کی تکمیل کا نام ہے لہٰذا جو خوش نصیب قوم ان نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہی ہے، سب سے زیادہ خوش حال ہے اور دنیا پر حکمرانی کر رہی ہے، اور ان کا ملک انتہائی ترقی یافتہ ہے۔ آپ بڑی آسانی سے سیاست کی اس تعریف کی روشنی میں خوش حال اور بدحال قوم و ملک کو الگ الگ کر سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ اس وقت سب سے زیادہ خوش حال اور ترقی یافتہ قوم اور ملک کون سا ہے تو میں بے ساختہ چینی قوم اور ان کے ملک چین کی نشاندہی کر دوں گا اور بدترین ممالک کے بارے میں پوچھے تو میں آنکھ بند کیے بغیر برصغیر کے نقشے پر انگلی رکھ دوں گا۔ مجھے دیگر ممالک سے کوئی بحث نہیں مجھے صرف اپنے وطن سے غرض ہے اور میں اسی کو ترقی یافتہ دیکھنا چاہتا ہوں لیکن کیا کروں جب بھی سیاست کی بات آتی ہے، میں اپنے ملک کے منظرنامے سے ہمیشہ ناامید اور مایوس ہو جاتا ہوں۔ ہمارا یہ عزیز از جان وطن اس وقت نہایت نااہل، بدترین اور کرپٹ حکمرانوں کی مٹھی میں بلبلا رہا ہے۔ یہ برصغیر کی بڑی بدقسمتی ہے کہ اسے اچھے، مخلص اور ویژنری حکمراں بہت ہی کم نصیب ہوئے ہیں (پاکستان کی حالت تو اور بھی زیادہ گئی گزری ہے)۔ یہاں کے حکمرانوں کو بالعموم اپنی رعایا کی کوئی فکر نہیں، سب کو اپنے اپنے تحفظات اور مفادات عزیز ہیں اور وہ اس کے لیے کسی بھی حد تک گر سکتے ہیں۔ اس کریہہ منظرنامے میں جب عام آدمی پارٹی اپنے فلاحی، رفاہی اور تعمیری منشور کے ساتھ منصہ شہود پر نمودار ہوئی تو انسانیت دوستوں اور ستائے ہوئے لوگوں نے مارے خوشی کے اس کے لیے اپنی بانہیں کھول دیں۔ دہلی کے گزشتہ انتخابات میں اس نے ریکارڈ توڑ کامیابی حاصل کی اور عالمی میڈیا کی شہ سرخیوں میں چھاگئی لیکن جو اندازہ کیا جا رہا تھا وہی ہوا یعنی یہ پارٹی اب اپنے نقطۂ عروج سے نقطۂ زوال کی طرف بڑھ رہی ہے بلکہ یوں کہا جانا چاہیے کہ اسے نیچے کی طرف سرکنے پر مجبور کیا جا رہا ہے، ایسے میں یہ خدشہ پیدا ہونا بجا ہے کہ کیا واقعی عام آدمی پارٹی اپنے انتخابی وعدے پورے کر سکے گی؟ آئیے جانیے کہ اس کا سبب کیا ہے۔

عام آدمی پارٹی ملک کے عام آدمی کے دل کی آواز تھی، برسوں سے ترسے ہوئے عوام انسانیت نوازی کی شبنم کے منتظر تھے جو انہیں موجودہ دیگر پارٹیوں میں نہیں مل پا رہی تھی۔ عوام کے حقوق کا استحصال ہوتا جا رہا تھا۔ جو بھی پارٹی آتی تو بس الیکشن کے وقت سمندر سے گہرے، شہد سے میٹھے اور ہمالیہ سے اونچے وعدے کرتی مگر کرسی ملتے ہی اپنی اوقات پر اتر آتی اور عوام کو بالکل فراموش کر دیتی، یا اگر کام بھی کرتی تو وہی جو ان کے مفاد میں ہو۔ ایسی صورت حال میں عام آدمی پارٹی کا وجود عوام کے لیے ملک کی نشاۃ ثانیہ کے لیے سنہرا خواب محسوس ہوا لیکن دیگر پارٹیوں کو اپنے پیروں تک زمین کھسکتی نظر آئی اور پھر انہوں نے عام آدمی پارٹی کے پَر کترنے ہی کو اپنا شیوہ بنالیا۔ پارٹی میں جو بھی اتھل پتھل مچی ہوئی ہے اور پارٹی کے بڑے اہم، سینئر لیڈران کو بغاوت کے جرم میں باہر نکال دیا گیا ہے۔ پارٹی کا یہ داخلی انتشار در اصل ان فرقہ پرستوں اور

موقع پرست سیاست دانوں کی سازش کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے جو نہیں چاہتے کہ عام آدمی پارٹی اپنے قدم جمائے اور ان کے لیے خطرے کی گھنٹی بجادے۔ عوام چوں کہ کالانعام ہیں انہیں اصل حقائق سے آگاہی نہیں ہوتی، میڈیا جو انہیں بتاتا ہے وہ وہی جانتے ہیں، عام آدمی پارٹی کی بد نصیبی یہ ہے کہ میڈیا اس کے ساتھ نہیں ہے، وہ پارٹی کی مثبت خبروں کو بھی منفی طور پر پیش کرتا ہے اور جس کے ہاتھ میں بک جاتا ہے اس کی خرابیوں کو بھی خوبیوں میں لپیٹ کر پیش کرتا ہے۔ بہر حال یہاں سوال یہ ہے کہ کیا ان حالات میں عام آدمی پارٹی اپنے مقاصد میں کامیاب ہوسکے گی؟

دیگر پارٹیوں اور عام آدمی پارٹی کا آپ تقابلی جائزہ لیں تو آپ کو احساس ہوگا کہ اب تک یہ پارٹی دیگر پارٹیوں سے ہزاروں گنا بہتر ثابت ہوئی ہے۔ آپ خود سوچیے کہ ۲۶ فروری کو اروند کیجری وال نے وزارت اعلیٰ کے عہدے کا حلف لیا اور آج تین مہینے ہوگئے۔ اس مختصر ترین مدت میں اس نے دہلی کے عوام کے لیے تین بڑے بڑے کام کیے جو بنیادی ضرورت کے حامل ہیں۔ بجلی، پانی اور بدعنوانی۔ آپ اندازہ لگائیے کہ تین مہینے تو کیا دیگر پارٹیاں سال سال بھر تک اپنی فتح کے نشے میں چور رہتی ہیں اور اس کے بعد ہی جو کچھ کرنا ہوتا ہے، کرتی ہیں، مگر عام آدمی پارٹی کی فتح کا نشہ ابھی اترا بھی نہیں تھا کہ اس نے یہ تین نہایت اہم ترین اور بڑے بڑے انتخابی وعدے پورے کردیے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پارٹی کی قیادت مخلص بھی ہے، سنجیدہ بھی اور دردمند بھی۔ یہ الگ بات ہے کہ پارٹی کا موجودہ تناظر اس بات کا اشارہ دے رہا ہے کہ ابھی اس کے اچھے مستقبل کے بارے میں کوئی رائے دینا بڑی جلدبازی ہوگی۔

اب رہ گئی یہ بات کہ کیا وہ مکمل طور پر دہلی کے عوام کے مسائل حل کرا سکتی ہے۔؟ اس کے جواب سے پہلے اس بات کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے کہ دہلی ایک الگ ریاست ضرور ہے مگر اس کے بعض اختیارات مرکز کے پاس ہیں اور خاص طور پر دہلی پولیس مرکزی وزارت داخلہ کے تحت کام کرتی ہے، حکومت دہلی کو وہ بالکل بھی جواب دہ نہیں ہے ایسی صورت میں اگر دہلی پولیس کی جانب سے کچھ گڑبڑیاں ہوتی ہیں تو اس کی ذمے دار مرکزی حکومت ہے، دہلی حکومت نہیں۔ بہت سارے کام ایسے ہوتے ہیں جو بغیر پولیس کے تعاون کے حل نہیں ہوسکتے ایسی صورت میں اگر دہلی پولیس نے عام آدمی پارٹی کی حکومت کی مرضی اور اس کے حکم پر عمل نہیں کیا تو اس میں عام آدمی پارٹی کا کیا قصور ہے؟ ہاں اگر دہلی کے سارے اختیارات دہلی ریاست کو منتقل ہوجائیں تو عام آدمی پارٹی ہر وہ کام کرسکتی ہے جو رعایا کی ترقی کے لیے ہوسکتا ہے۔ وزارت اعلیٰ کے حلف کی تقریب میں شرکت کی دعوت دینے کے لیے الیکشن جیتنے کے بعد اروند کیجری وال جب وزیراعظم نریندر مودی سے ملنے پہنچے تو انہوں نے سب سے پہلے یہی مطالبہ کیا کہ دہلی کو مکمل ریاست کا درجہ دیا جائے۔ اب دیکھیے کہ یہ مطالبہ کب پورا ہوتا ہے۔ اس کے بغیر دہلی حکومت کو بہت سارے معاملات میں مرکز کا دست نگر بنے رہنا ہوگا۔ مجھے نہیں لگتا کہ بی جے پی حکومت اتنی جلدی اس مطالبے کو تسلیم کرکے دہلی کو مکمل ریاست کا درجہ عطا کردے گی۔ کیوں کہ کہیں نہ کہیں بی جے پی بھی چاہتی ہے اور مکمل طور پر چاہتی ہیں کہ عام آدمی پارٹی کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کی جائیں تاکہ یہ آگے اس کے لیے چیلنج بن کر نہ ابھر سکے۔

عام آدمی پارٹی نے اتنی مختصر ترین مدت میں جو نہایت بڑے بڑے تین وعدے پورے کیے، یہ اپنے آپ میں ایک ریکارڈ ہے، مجھے نہیں لگتا کہ آزادی کے بعد یہاں کبھی ایسا ہوا ہو۔ یہاں کی پارٹیاں زیادہ تر اخیر وقت میں زیادہ سے زیادہ کام کرتی ہیں تاکہ الیکشن کے قریب عوام کے ذہنوں میں پارٹی کے "احسانات" تازہ ہوں اور اس کا بدلہ وہ ان کی جھولی میں ڈال دے۔ ابھی عام آدمی کے پاس پورے ساڑھے چار سال باقی ہیں ابھی اسے بہت کچھ کرنا ہے اور بہت کچھ کرے گی۔ ہمارے عوام کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ بہت جلدی کسی سے بدگمان ہوجاتے ہیں، اس پر الزامات کی بھرمار کرتے ہیں اور بہت جلدی یہ فیصلہ کرلیتے ہیں بلکہ عوامی مجلسوں میں ببانگ دہل بولتے بھی ہیں کہ فلاں امریکہ کا ایجنٹ ہے، فلاں آر ایس ایس کا آدمی ہے، فلاں اسرائیل کا دلال ہے، فلاں یہ ہے فلاں وہ ہے۔ ہمیں ایسا مزاج بنانا چاہیے کہ انسان جیسا بھی ہو اگر وہ مجموعی طور پر فلاح انسانیت کے لیے کام کررہا ہے تو ہمیں اس کا تعاون کرنا چاہیے، اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں ڈالنا چاہیے۔ ٹھیک ہے ہم تائید نہیں کرسکتے لیکن کیا چپ بھی نہیں رہ سکتے؟ کم از کم چپ تو رہیں اور منفی ردعمل کرکے اس کی مشکلات میں اضافہ تو نہ کریں۔ عام آدمی پارٹی سے بہت امیدیں وابستہ ہیں۔ اللہ عزوجل ہمارے ملک کو جاہل ترین، مکار ترین، بدعنوان ترین سیاست دانوں اور حکمرانوں سے محفوظ فرمائے اور ہم سب سے فلاح انسانیت کی خدمت لے۔ ☆☆☆

نقد و نظر

نام کتاب: مناقب الامام اعظم أبی حنیفۃ رضی اللہ تعالی عنہ
مصنفین: علامہ ابوالمؤید الموفق بن احمد المکی الخوارزمی۔
و۔امام فقیہ علامہ محمد بن محمد البزازی الکردری۔
رحمۃ اللہ تعالی علیہما
صفحات: ۱۰۸۲
ناشر: طلبہ جماعت سابعہ؛ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ
قیمت: ۸۰۰/روپے
مبصر: خالد ایوب مصباحی شیرانی

دنیا میں باکمال افراد کم پیدا ہوتے ہیں لیکن پھر بھی بہت ہوتے ہیں۔ لیکن ایسے افراد بہت ہی کم پیدا ہوتے ہیں جن کے کمالات ختم ہونے کو نہیں آتے۔ امام مطلق سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رضی اللہ تعالی عنہ (۸۰ھ۔۱۵۰ھ) کی ذات بابرکات بلا مبالغہ، بلا مبالغہ، بلا مبالغہ اللہ رب العزت کی ایسی ہی عظیم ترین نشانیوں میں سر فہرست تھے۔ کیا علم و عمل، کیا ذہانت و ذکاوت، کیا استدلال و استنباط، کیا عقل و دانش، کیا فراست و بصیرت اور کیا قوت فیصلہ، کون سے اعلی اوصاف و فضائل ہیں جن سے یہ بندہ خاکی متصف نہ تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ خلیفۃ اللہ تعالی فی الارض حضرت انسان کا درجہ علو کہاں تک پہنچ سکتا ہے اور اسے کیا کیا کمالات عطا ہو سکتے ہیں؟

اللہ برا کرے حسد جیسی مذموم اور رذیل عادت کا۔ اگر یہ خوے بد نہ ہوتی تو کیا دنیا کے لیے اس عبقری العباقرہ کی حیثیت واقعی کا انکار ممکن تھا؟ اگر آفتاب و ماہ تاب کا انکار ممکن ہوتا تو یہ ممکن ہوتا۔ لیکن اسے کیا کہا جائے کہ جب جب اللہ کے بندوں کو کوئی نعمت ملتی ہے، تب تب وہ اس کی ناقدری کرتے ہیں، قرآن نے معبود باری تعالی کی زبانی اس عادت کا کس حسرت بھرے انداز میں ذکر کیا ہے: يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ اِلَّا كَانُوا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ۔ (سورہ یسین، آیت نمبر: ۳۰)۔ بلکہ حد تو یہ ہے: وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ۔ (سورہ زمر، آیت نمبر: ۶۹)

یہ بھی بڑی عجیب بات ہے کہ حضرت امام رضی اللہ تعالی عنہ کی ذات کچھ زیادہ ہی محسود رہی اور نہ صرف رہی بلکہ تا ایں دم روز اول کی طرح محسود ہے۔ حضرت امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے کیا خوب کہا ہے:

هم يحسدوني و شر الناس منزلة
من عاش فی الدنيا يوم غير محسود

زمانے کا یہ حاسدانہ طرز عمل اس بات کا خاموش مگر واضح اشارہ ہے کہ واقعتا اللہ رب العزت نے آپ کو جو عظیم دولت اور منزلت عطا فرمائی، وہ اس پورے عرصے میں آپ ہی کا حصہ اور مقدر ہے۔ مجدد قرن ثالث حضرت قاضی احمد بن عمر بن سریج بغدادی شافعی علیہ الرحمہ نے حضرت امام کے ایک نقاد سے بڑی پیاری بات ارشاد فرمائی، فرماتے ہیں: فاذا كان الله تعالى قد ضمن لنبيه صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حفظ الشريعة ، و كان أبو حنيفة أول من دونها، فيبعد أن يكون الله تعالى قد ضمنها ثم يكون أول من دونها على خطأ۔ (مناقب الامام أعظم أبي حنيفة، مقدمة للعلامة محمد احمد المصباحی حفظه الله تعالى، ص ۹) یعنی جب اللہ رب العزت نے شریعت مصطفی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی حفاظت کی ضمانت لے رکھی ہے، اور امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ شریعت مصطفی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے پہلے مدون ہیں، تو یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالی کی ضمانت کے باوجود شریعت کا پہلا مدون ہی خطا کار ہو۔

"مناقب الامام أعظم أبي حنيفة رضی الله تعالى عنه" نامی کتاب کی حضرت امام کی سوانحیات میں وہی حیثیت ہونی چاہیے جو حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کی سوانحیات میں "بهجة الأسرار" کی ہے۔ علامہ ابوالمؤید الموفق بن احمد المکی الخوارزمی رحمۃ اللہ تعالی علیہ (۵۶۸ھ) کی یہ کتاب بلا شبہ سوانحیات امام میں بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ کتاب میں کل اکتیس ابواب ہیں اور ہر باب کے تحت چند فصلیں یا ذیلی عناوین ہیں۔ یہاں اتنی گنجائش نہیں کہ فہرست پیش کی جائے۔ لیکن کتابوں سے تعلق اور کتابوں کی مزاج شناسی کی بنیاد پر کم سے کم اتنا تو مکمل وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ جو صاحب ذوق سلیم بھی کتاب کی مکمل فہرست دیکھے گا کتاب کا مطالعہ کیے بنا نہیں رہ سکتا۔ کیوں کہ کتاب حقیقی معنوں میں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے اور واقعی مفید بلکہ مفید ترین ہے۔

استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

شاید کتاب کی جامعیت اور اہمیت ہی کی وجہ سے معروف فقیہ، صاحب فتاوی بزازیہ علامہ امام محمد بن محمد البزازی الکردری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۸۲۷ھ) نے کچھ علمی لطائف و اضافات کے ساتھ اس کی بڑی کار آمد تلخیص فرمائی۔ اصل و تلخیص دونوں متن و حاشیہ کے طرز پر دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدر آباد سے ۱۳۲۱ ہجری میں دو جلدوں میں شائع ہوئیں۔ دائرۃ المعارف نے چوں کہ مخطوطے سے لے کر شائع کیا تھا، جس میں حضرت امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ دیگر اصحاب امام کا ذکر ساقط تھا، لیکن امام کردری کی مناقب میں ان ساقط شدہ اصحاب کا ذکر ہے۔

۱۴۰۱ ہجری میں دار الکتاب العربی، بیروت نے دائرۃ المعارف ہی کے نسخے کو دو جلدوں میں شائع کیا لیکن متن و حاشیہ کے طرز پر نہیں بلکہ مناقب موفق کو جزو اول اور مناقب کردری کو جزو ثانی بنا کر۔

اصل کتاب تلخیص کے ساتھ چھپنے کو چھپی تو سہی لیکن اغلاط کی بھرمار تھی۔ جبکہ کتاب کی اہمیت اس بات کی متقاضی تھی کہ اسے نئے رنگ و آہنگ کے ساتھ تصحیح کر کے از سر نو شائع کیا جائے۔ الحمد للہ امید گاہ اہل سنت جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کی جماعت سابعہ کے ہونہار طلبہ نے اپنے مشفق اساتذہ بالخصوص محقق مسائل جدیدہ حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی دام ظلہ کے ایما پر اس عظیم تاریخی ورثے کی حفاظت و اشاعت کا بیڑہ اٹھایا اور جامعہ کی دیرینہ روایت کے مطابق حضرت مفتی اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ کے یوم وصال کی مناسبت سے منعقد سالانہ پروگرام میں اس کتاب کی اشاعت کا عزم کیا۔ کتاب اپنی پوری شان و آن کے ساتھ باذوق قارئین کے مطالعہ کی میز تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئی۔

کتاب کے صفحہ نمبر ۳ اور ۴ پر ''کلمۃ الناشرین'' کے عنوان سے جماعت سابعہ کے طلبہ کی طرف سے کچھ احوال واقعی ہیں۔ جب کہ صفحہ نمبر: ۵ سے لے کر ۱۴ تک خیر الاذکیا، صدر العلما علامہ محمد احمد مصباحی ادام اللہ تعالیٰ فیوضہم کی حیات امام کے بعض گوشوں پر مشتمل شان دار تقدیم ہے۔ اس تقدیم میں آپ نے حضرت امام کے زمانہ کے سیاسی حالات کا جائزہ لیا ہے۔ آپ کی تدوین فقہ کی خدمات کو اجاگر کیا ہے اور پھر تفصیل سے آپ کی محدثانہ شان بیان فرمائی ہے۔ صحاح ستہ میں حضرت امام کے تلامذہ کی روایات سے بھی کثیر ہیں، اس تعلق سے آپ کے بارہ مشہور تلامذہ کا ذکر فرماتے ہوئے، حضرت امام محمد بن حسن شیبانی کے تعلق سے لکھتے ہیں:

ممن روى عن الامام أبي حنيفة، أبو عبد الله بن الحسن الشيباني (۱۳۲ھ.۱۸۹ھ) روى عنه الامام الشافعي محمد بن ادريس (۱۵۰ھ. ۲۰٤ھ) و عنه روى الامام أحمد بن حنبل (۲٤۱ھ) و عنه روى الامام محمد بن اسماعيل البخاري (۱۹٤ھ. ۲٥٦ھ) صاحب الجامع الصحيح، والامام مسلم بن الحجاج القشيري (۲۰٤ھ. ۲٦۱ھ)، و أبو داؤد سليمان بن أشعث السجستاني صاحب السنن (۲۰۲ھ. ۲۷٥ھ) و تلمذ على البخاري ، الامام أبو عيسى محمد بن عيسى بن سورة الترمذي (۲۰۹ھ. ۲۷۹ھ) و تلمذ على أبي داؤد، أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب النسائي صاحب السنن (۲۱٥ھ. ۳۰۳ھ). (ص:۱۰.۱۱)

قابل غور یہ ہے کہ اس سلسلہ سلسلۃ الذہب کے واسطے سے اصحاب صحاح ستہ میں سے پانچ حضرات ائمہ ثلاثہ میں سے دو حضرات کے واسطے سے حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تلامذہ کے تلامذہ ہوتے ہیں۔ یہ صرف ایک واسطہ اور ایک سند ہے۔ کیا اب بھی حاسد کینہ پرور کے لیے دیانت و عدالت کا خون کرتے ہوئے یہ کہنا ممکن ہے کہ ابو حنیفہ حدیث داں نہیں؟؟؟ اللہ تعالیٰ اپنا خوف عطا فرمائے۔

واقعتاً حضرت صدر العلما کی اس تقدیم نے کتاب کی اہمیت و حسن میں مزید چار چاند لگائے ہیں۔ واضح رہے کہ کتاب کی تحقیق و تصحیح کا دشوار گزار اور اہم ترین کام بھی حسب دستور سابق حضرت صدر العلما کی نگرانی میں ہوا ہے۔

تقدیم کے بعد ادیب الاسلام حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی دام ظلہ نے علامہ موفق کا قدرے تفصیلی اور علامہ کردری کا نسبتاً اجمالی مگر جامع تعارف پیش کیا ہے۔ یہ دونوں تعارف صفحہ نمبر: ۱۵ تا ۲۲ تک کو محیط ہیں۔

تعارف کے مابعد یعنی صفحہ نمبر: ۲۳ سے علامہ موفق کی اصل کتاب شروع ہوتی ہے جس کا سلسلہ صفحہ نمبر: ۵۳۹ تک ہے۔ اور اس کے بعد یعنی صفحہ نمبر: ۵۴۱ سے لے کر ۱۰۷۰ تک مناقب کردری ہے۔ صفحہ نمبر: ۱۰۷۱۔۱۰۷۲ پر اشاعت کتاب میں حصہ لینے طلبہ سابعہ کی فہرست ہے جبکہ صفحہ نمبر: ۱۰۷۳ سے ۱۰۸۰ تک ''الجامعة الاشرفية و علماؤها: تاريخ و حقائق''...(باقی، ص:۳۴ پر)

نعت و منقبت

جو دیکھے معراج میں وہ جلوے

تمھارے گیسوے مشک بو سے تمام عالم مہک رہے ہیں
تمھارے رُخسار پر ضیا سے یہ چاند سورج چمک رہے ہیں
وہ روے تاباں، وہ اُن کے گیسو، کمالِ روشن، کمالِ خوشبو
چمک رہے ہیں، دمک رہے ہیں، مہک رہے ہیں، جھلک رہے ہیں
جو گزرے افلاک سے وہ آقا تو حور و غلماں نے یہ پکارا
اِدھر کو بھی اک جھلک دکھانا کہ دیر سے راہ تک رہے ہیں
جو دیکھے معراج میں وہ جلوے، فرشتے کہنے لگے مچل کے
انھیں کے رُخ کی تجلیوں سے یہ ماہ و انجم چمک رہے ہیں
تمھاری خوشبو کہاں نہیں ہے، گلاب ہو یا کہ مشک و عنبر
حضور جس سمت سے بھی گزرے تمام رَستے مہک رہے ہیں
یہ ایک اکرم بھی ہے تمھارا، چھپا دامن میں اِس کو آقا
کہ اہلِ محشر تمام اِس کو سمجھ کے عاصی جھڑک رہے ہیں

قطعات

(۱)

مقامِ سرورِ کونین کوئی کیا جانے
خیال وعقل و خرد سے انھیں ورا جانے
مرا عقیدہ و ایمان ہے یہی اکرم
خدا کو بس وہی جانیں ، انھیں خدا جانے

(۲)

رخِ حضور سے تاروں نے روشنی پائی
گلوں نے ان کے تبسم سے دل کشی پائی
مہ و نجوم، بہار و چمن ہی کیا اکرؔم
حبیبِ حق سے دوعالم نے زندگی پائی

حضرت مولانا محمد نذیر الاکرم نعیمی مرادآبادی قدس سرہ

ہے روئے نبی میں وہ حسنِ تمامی

نبی کو ملا ہے وہ اوجِ دوامی
زمیں بھی سلامی، فلک بھی سلامی
ہے روئے نبی میں وہ حسنِ تمامی
کہ عاشق ہیں ہندی و رومی و شامی
ذرا دیکھیے ان کی اعلیٰ مقامی
ہے عرشِ بریں زیرِ پائے گرامی
ملی مجھ کو قسمت سے دُہری غلامی
میں ہوں قادری اور چشتی نظامی
میں سالؔم کہاں اور کہاں خوش کلامی
ہیں شاعر تو حسانؔ و سعدیؔ و جامیؔ

منقبت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ضیاے ملت ابو حنیفہ، سراجِ امت ابو حنیفہ
امام ایسے کہ ناز جن پر کرے امامت، ابو حنیفہ
ہو مجتہد بھی تم اور مجدد، تمھارے خادم ہیں اور مقلد
تمھارے تابع، تمھارے پیرو ہیں اہلِ سنت، ابو حنیفہ
انھیں سے ہونا تھی دیں کی خدمت نبی کا ارشاد بھی یہی تھا
ہے یہ حقیقت کہ ہیں نبی کی مرے بشارت ابو حنیفہ
کچھ ایسا مضبوط کر دیا ہے نظامِ دینِ متین تم نے
بگاڑ سکتی نہیں اِسے اب کوئی شرارت ابو حنیفہ
امام مالک سے کوئی پوچھے کہ بو حنیفہ کا حال کیا ہے
تو وہ بتائیں گے بے بدل ہے تری ذہانت ابو حنیفہ
تمھارے روضے پہ شافعی نے سکون پایا، قرار پایا
تمھارے روضے پہ فضلِ رب سے ہے ایسی برکت، ابو حنیفہ
میں مشرباً قادری ہوں سالؔم، امامِ اعظم کا ہوں مقلد
ہیں پیر میرے جو غوثِ اعظم، امامِ حضرت ابو حنیفہ

حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم القادری

وفیـــــات

مولانا قاری رضا المصطفیٰ اعظمی امجدی کی یاد میں

چشمِ گریاں کے چند آنسو

از: ضیغم اہلِ سنت علامہ محمد حسن علی رضوی میلسی

دنیائے اہلِ سنت میں یہ الم ناک خبر اندوہ اثر رنج و ملال سے سنی اور پڑھی جائے گی کہ حضور صدر الصدور صدر الشریعہ فقیہ امت علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رضوی، مصنف بہارِ شریعت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلفِ اوسط حضرت علامہ الحاج قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی رضوی امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خطیب جامع مسجد میمن بولٹن مارکیٹ، بندر روڈ کراچی، کراچی میں انتقال فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے جامِ بقائے دوام لا ساقی

حضرت ممدوح محترم کی ولادت دار الخیر والقدس درگاہ معلیٰ اجمیر شریف میں ہوئی، جب کہ آپ کے عظیم المرتبت والد گرامی حضور صدر الصدور صدر الشریعہ قدس سرہ دار العلوم جامعہ معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف میں صدر المدرسین تھے اور علوم و عرفان کے دریا بہا رہے تھے۔ آپ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کی زوجہ ثانیہ سے تھے۔ آپ کے چھوٹے بھائی محمد احمد مرحوم ایامِ طفولیت ہی میں اجمیر شریف میں فوت ہو گئے تھے اور وہیں اُس بابرکت مقام پر دفن کیے گئے۔ یہ عرصہ ۱۳۴۳ھ تا ۱۳۵۰ھ کی بات ہے جب کہ جامعہ معینیہ عثمانیہ درگاہ معلیٰ اجمیر شریف میں حضور صدر الشریعہ قدس سرہ کے حلقۂ درس میں محدثِ اعظم پاکستان شیخ الحدیث علامہ ابو الفضل محمد سردار احمد قدس سرہ، حافظ الحدیث جلالۃ العلم علامہ عبد العزیز بانی جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)۔ رئیس التارکین مجاہدِ ملت علامہ محمد حبیب الرحمٰن قادری، صدر العلما امام النحو علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی، سیف المناظرین مفتیِ اعظم کان پور مفتی محمد رفاقت حسین مظفر پوری، استاذ العلما علامہ شمس الدین جونپوری قدست اسرارہم جیسے اکابرِ امت شامل تھے۔ اور اندرونِ درگاہ شریف محفل خانہ اور اکبری جامع مسجد حضرت صدر الشریعہ کی درس گاہ تھی۔

حضرت مولانا قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی ابتدائی تعلیم قرآن عظیم کچھ عرصہ اجمیر شریف گاس کٹلا کی مسجد میں بھی ہوئی اور درس نظامی کی ابتدا محدثِ اعظم پاکستان حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ہوئی۔ حافظِ ملت علامہ حافظ عبد العزیز بانی اشرفیہ مبارک پور سے قرآن عظیم کے اسباق پڑھے۔ بار بار خود فرمایا کرتے تھے، حضرت محدث اعظم پاکستان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مجھے لے پالک لیا ہوا تھا، میں حضرت شیخ الحدیث کا لے پالک ہوں۔ ایک بار میں اجمیر شریف میں بہت زیادہ بیمار ہو گیا۔ حضرت مولانا سردار احمد نے میرے علاج و معالجہ پر بہت توجہ دی۔ ہسپتال لے جانا، دوائی دلانا، یہ سب حضرت کے ہاتھوں ہوا اور بحمدہٖ تعالیٰ مجھے نئی زندگی ملی، پھر ۱۳۵۱ھ میں جب حضرت والد ماجد صدر الشریعہ قبلہ واپس دار العلوم جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف میں تشریف لائے تو ہمارا گھر حضور سیدنا مفتیِ اعظم مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں کی گلی میں ان کے مکان سے کچھ آگے تھا۔ (فقیر ۱۴۰۱ھ میں سیدنا حضور مفتیِ اعظم قبلہ قدس سرہ کے عرس چہلم شریف میں حاضر ہوا تو اس مکان میں ریحان ملت حضرت علامہ ریحان رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سکونت پذیر تھے۔ عرسِ چہلم مفتیِ اعظم میں حضرت علامہ قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی اور حاجی محمد حنیف طیب سعیدی بھی موجود تھے۔ جناب حاجی حنیف طیب اور قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی نے فقیر راقم الحروف (محمد حسن علی رضوی) سے کہا کہ ہم امینِ شریعت مفتی رفاقت حسین بھوانی پوری شیخ الحدیث احسن المدارس کانپور کو کراچی بلانا چاہتے ہیں۔ آپ بھی مفتی صاحب کانپوری سے کہیں اور دعوت دیں۔ بات میں بات نکلتی چلی گئی، الغرض علامہ قاری رضاء المصطفیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دو سال بریلی شریف میں گزارے، یہاں حضرت محدث اعظم پاکستان کے زیرِ تربیت رہے۔ اب حضور محدث اعظم پاکستان دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف میں مدرس دوم اور ناظمِ تعلیمات ہو چکے تھے۔ پھر حضور صدر الشریعہ بریلی شریف میں تین سال بحیثیت صدر المدرسین رہنے کے بعد نواب حاجی غلام محمد شیروانی رئیس اعظم ریاست وادوں (علی گڑھ) کی خصوصی دعوت پر جب دار العلوم جامعہ حافظیہ سعیدیہ دادوں علی گڑھ کے صدر المدرسین بن کر تشریف لے گئے تو علامہ قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی کو والد ماجد حضرت صدر الشریعہ نے اپنے نام ور شاگرد حافظِ ملت علامہ حافظ عبد العزیز علیہ الرحمۃ کے پاس جامعہ اشرفیہ میں مبارک پور اعظم گڑھ بھیج دیا۔ یاد رہے کہ حضور حافظِ ملت علامہ مفتی ظفر علی نعمانی بانی دار العلوم امجدیہ کراچی اور ملک التحریر علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہما جیسے مشاہیر اہلِ سنت کے استاذ محترم تھے۔ علامہ قاری

رضاء المصطفیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے درس نظامی کی تعلیم جامعہ اشرفیہ میں مکمل کی اور کچھ عرصہ مولانا شاہ احمد نورانی مرحوم کے استاد محترم صدر العلما علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی کے دار العلوم مدرسہ اسلامیہ قومیہ اندر کوٹ میرٹھ میں زیر تعلیم رہے۔ خطیب اعظم مولانا شاہ علامہ محمد عارف اللہ قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور مولانا شاہ احمد نورانی آپ کے استاد بھائی ہوئے۔ صدر الشریعہ بدر الطریقہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے آبائی وطن مدینۃ العلما گھوسی شریف ،ان کے دولت کدہ قادری منزل پر ہر ماہ محفل نعتیہ مشاعرہ ہوتا تھا۔ بڑے بڑے شعرائے کرام شامل ہوکر اپنا اپنا کلام سناتے تھے، میدانِ مشاعرہ بحر العلوم علامہ عبد المصطفیٰ ازہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خلف امجد کے ہاتھ رہتا، وہ بلند پایہ، کہنہ مشق ادیب و اریب و شاعر بھی تھے۔ ایک بار حضرت صدر الشریعہ نے مصرع طرح حضرت مولانا حسن رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بہاریہ کلام سے یہ دیا:

سرور آنکھوں میں آیا، جان دل میں نور ایماں میں

حضرت مولانا قاری رضاء المصطفیٰ علیہ الرحمۃ بہت خوش الحان تھے اور شعر و شاعری سے بھی شغف تھا۔ آپ نے اس طرح مصرعہ پر چند اشعار لکھے جس میں ایک شعر یہ بھی تھا۔ یہ گرہ لگائی:

تعالی اللہ کیا اچھی طرح دی میرے آبا نے
سرور آنکھوں میں آیا، جان دل میں نور ایماں میں

استادِ زمن حضرت مولانا حسن رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی پوری نعت شریف کا شعر یوں ہے:

عجب انداز سے محبوب حق نے جلوہ فرمایا
سرور آنکھوں میں آیا، جان دل میں نور ایماں میں

بحر العلوم علامہ عبد المصطفیٰ الازہری شیخ الحدیث دار العلوم امجدیہ کراچی، علامہ قاری رضاء المصطفیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بڑے بھائی تھے۔ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کی تمام اولاد ماشاء اللہ بفضلہ تعالیٰ عالم فاضل ہوئی، حتیٰ کہ دونوں صاحب زادیاں بھی مستند عالمہ فاضلہ ہوئی حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کے عہدِ حیات ہی میں آپ نے حضرت علامہ عبد المصطفیٰ ازہری علیہ الرحمۃ سے فرمایا، بتاؤ! مکان کی تقسیم کیسے کی جائے۔ علامہ ازہری نے عرض کیا، بڑا مکان قادری منزل برادرم علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری، مولانا ثناء المصطفیٰ قادری، مولانا بہاء المصطفیٰ قادری، مولانا فداء المصطفیٰ کو عطا فرمادیں۔ اور پرانا مکان جو ہے وہ مجھے اور برادرم قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی کو عنایت فرمادیں۔ والد ماجد نے تھوڑی سی ترمیم کے بعد مکانات اسی طرح تقسیم فرمائے۔ قاری رضاء المصطفیٰ صاحب سے چوں کہ فقیر کی بے تکلفی تھی، بہت سے گھریلو خانگی امور کی باتیں مجھ فقیر سے اپنائیت میں کر لیتے تھے، جب آخری بار اپنے آبائی وطن انڈیا، گھوسی تشریف لے گئے تو واپسی پر مجھ فقیر سے تذکرہ کیا کہ فلاں ہمشیرہ کہتی تھی کہ بھیا یہ پرانا مکان مجھے دے دو۔ آپ نے تو کراچی پاکستان میں بہت اچھا مکان بنالیا ہے۔ فرمایا! میں نے کہا یہ کام میرے ابا نے مجھے نہیں سکھایا، یہ مکان آبا و اجداد کا مقدس تبرک ہے، کسی کو کیسے دے سکتا ہوں۔ والد ماجد سیدی صدر الشریعہ قدس سرہ کے انتقال ۱۳۶۷ھ کے بعد حضرت علامہ مفتی ظفر علی نعمانی بانی دار العلوم امجدیہ کراچی اور حضرت علامہ قاری محمد مصلح الدین صدیقی قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہما کی فرمائش پر استاذ العلما حافظ ملت بانی جامعہ اشرفیہ نے جامع مسجد آرام باغ کراچی میں تراویح پڑھانے کے لیے بھیج دیا۔ قاری صاحب علیہ الرحمۃ خود فرماتے تھے، یہاں میرا دل نہیں لگتا تھا، پریشان رہتا تھا، میں نے حضور حافظ ملت کو خط لکھا تو حضرت حافظ ملت قدس سرہ کا جواب آیا۔ فرمایا! یہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لاہور کے رہنے والے تھے، یہ حضور خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ راجپوتانہ اجمیر شریف کے رہنے والے تھے؟ غور کرو، دین کے لیے گھر بار چھوڑنا پڑتا ہے اور فرمایا میں کوئی مبارک پور کا رہنے والا ہوں، میں بھوج پور مراد آباد کا رہنے والا ہوں، دل لگاؤ، دین کی خدمت کرو، اللہ تبارک و تعالیٰ بہت برکت دے گا...الخ۔

قادری صاحب فرماتے تھے: اس سے میری بہت ہمت بندھی پھر کچھ عرصہ کے بعد علما و احباب کے تعاون سے کراچی کی سب سے بڑی اور عظیم نیومیمن مسجد میں امام و خطیب مقرر کردیا گیا اور دار العلوم امجدیہ میں مدرس بھی رہے۔ پھر جامعہ نوریہ رضویہ کے نام سے کلفٹن کراچی میں اپنا بھی مدرسہ بنایا۔ فقیر نے ایک بار عرض کیا کہ نیومیمن مسجد میں لاؤڈ اسپیکر پر نماز ہوتی ہے، اکابر اہلِ سنت اور سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے گیارہ خلفا و تلامذہ کے متفقہ فتاویٰ کے خلاف ہے۔ فرمایا کہ میں کیا خود اپنی خوشی سے چلاتا ہوں، چند بار لوگوں کو منع کیا، میں لوگوں سے لڑ نہیں سکتا۔ آپ مجاہد اہلِ سنت، آپ ضیغم اہلِ سنت ہیں، آپ لڑ سکتے ہیں، فقیر نے گذارش کی، میں کب کسی سے لڑتا جھگڑتا ہوں؟ اپنے سیکڑوں اکابر اہلِ سنت کا مسلک و موقف دلائل سے پیش کرتا ہوں۔ فرمایا نیومیمن مسجد میں ننگے سر نماز پڑھنے والے آتے ہیں، داڑھی منڈے بھی نماز پڑھتے ہیں، میں کس کس کو منع کروں، مجھ میں ہمت نہیں۔ آپ مجاہد ہیں آپ روک سکتے ہیں۔ فرمانے لگے۔ ابا جی حضور صدر الشریعہ نے بھی تو کچھ لکھا ہے، لوگ اس کو دلیل بناتے ہیں، میں نے عرض کیا: غلط ہے، خلافِ واقعہ فتاویٰ امجدیہ دکھائیں۔ اس

میں حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کے فتاویٰ کی ترتیب اور تاریخیں دیکھ لیں، حضرت کا ایک پہلا فتویٰ جواز کا ہو سکتا ہے جب لاؤڈ اسپیکر کی حقیقت و ماہیئت سے علما ابتداءً ناواقف تھے، بعد میں ماہرینِ اصوات انجینئر حضرات سے یہ تحقیق سامنے آئی کہ لاؤڈ اسپیکر کے یونٹ سے خارج ہونے والی آواز عین صوت متکلّم نہیں ہے، بجلی کی لہروں سے پیدا شدہ ایک مصنوعی آواز ہے۔ زیادہ سے زیادہ مثل صوت متکلّم کہہ سکتے ہیں۔ بعینہٖ صوت متکلّم نہیں ہے، حضرت صدر الشریعہ کے فتاویٰ امجدیہ کو دیکھا گیا تو پہلے فتویٰ کے برعکس بعد کی تاریخوں کے بعد والے دو فتاویٰ مفسدِ نماز کے حکم پر مشتمل ہیں، اس پر فرمانے لگے: ایسا لگتا ہے کہ مسئلہ لاؤڈ اسپیکر کو آپ نے حفظ کر لیا ہے۔ غنیمت ہے کہ آپ اس گئے گزرے دور میں اکابر اہلِ سنت کے مسلک و تحقیق پر عمل کرتے اور استقامت رکھتے ہیں۔

عظیم و جلیل دینی مسلکی خدمات: حضرت علامہ قاری رضاء المصطفیٰ علیہ الرحمۃ مکتبہ رضویہ فیروز شاہ اسٹریٹ گاڑی کھاتہ آرام باغ کراچی سے اکابر اہلِ سنت کی سیکڑوں طویل وضخیم کتابوں کو بار بار شائع کیا اور نایاب درسی کتابوں کو شائع فرمایا۔ پہلے ہمارے مدارس درس نظامی کے کورس اور تفسیر و احادیث و حواشی پر مشتمل دوسروں کی کتابوں کو خریدتے تھے۔ علامہ قاری رضاء المصطفیٰ نے بہت سی اہم درسی کتابوں کو شائع کیا۔ سیدنا امامِ اہلِ سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کا ترجمہ کنزالایمان اور حضرت صدر الافاضل مراد آبادی کی تفسیر خزائن العرفان اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت کا طویل ضخیم فتاویٰ رضویہ شریف اور سرکار اعلیٰ حضرت کی اولین جامع سوانح عمری حیات اعلیٰ حضرت مظہر المناقب بھی سب سے پہلے بار بار مکتبہ رضویہ سے شائع ہوئیں۔ خاموشی اور یک سوئی سے کام کرنے کے عادی تھے۔ خوش مزاج، خوش انداز تھے۔ اپنے تمام صاحب زادوں اور صاحب زادیوں کو عالم و حافظ و قاری بنایا۔ آستانہ عالیہ محدث اعظم پر عرس امام اعظم و عرس محدث اعظم پر متعدّد بار تشریف لائے اور مجھ فقیر بے نوا کو دریافت کرتے۔ فقیر کا نام لے کر فرماتے، وہ کہاں ہیں۔ ایک بار حضرت فیض درجت معمار اہلِ سنت علامہ صاحب زادہ قاضی محمد فضل رسول حیدر رضوی سجادہ نشیں محدث اعظم پاکستان نے فرمایا: قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی تشریف لائے ہوئے ہیں، آپ کو یاد فرمارہے ہیں۔ فقیر ان کی خاص قیام گاہ پہنچا تو ایک دَم والہانہ انداز میں کھڑے ہو کر گلے لگایا۔ فرمانے لگے میں کل سے یاد کر رہا ہوں، کل سے بار بار دریافت کر رہا ہوں۔ فقیر نے عرض کیا ابھی ابھی آیا ہوں اور حسبِ طلب حسبِ حکم فوراً آگیا ہوں۔ فرمایا: کراچی کے علما و احباب آپ کو بہت پوچھتے ہیں، بہت یاد کرتے ہیں کہ یہ مولانا محمد حسن علی رضوی میلسی، یہ میلسی کون سا طریقت کا سلسلہ ہے۔ قادری سلسلہ ہے چشتی سلسلہ ہے، نقش بندی، سہروردی، رضوی، برکاتی، اشرفی سلسلے ہیں، یہ میلسی کون سا سلسلہ ہے؟ عرض کیا: ان کو فرمادیں میلسی شہر ہے اور یہ فقیر میلسی میں سکونت پذیر ہے۔ فرمایا: سکونت پذیر تو آپ سارے پاکستان میں ہیں، سنیوں کے دلوں میں بستے ہیں، کراچی کے علما و احباب تو آپ کو شمشیر بے نیام اور مسلکِ اعلیٰ حضرت کی گونج دار آواز کہتے ہیں۔ میں نے کہا: میں کچھ نہیں بفضلہٖ تعالیٰ میرے مشائخِ طریقت کی دعاؤں کی برکت اور دعاؤں کا صدقہ ہے:

مجھ سے سو لاکھ کو کافی ہے اشارہ تیرا

فرمانے لگے: ایک اہم کام بہت ضروری کا آپ کے ذمہ لگاتا ہوں، فرمایا: میرے برادر بزرگ وار علامہ عبد المصطفیٰ ازہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تفسیر ازہری شروع فرمائی تھی، ابتدائی پانچ سپاروں کی تفسیر کی تھی، وہ وصال فرما گئے۔ اب آپ بقیہ ۲۵/ سیپاروں کی اسی انداز میں مختصر تفسیر کردیں، میں فوراً چھپوا دوں گا۔ یہ کام ضرور کریں۔ کہنے لگے جس طرح جلالین شریف دو مفسرین دو جلال الدین کی ہے علامہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور علامہ جلال الدین محلّی۔ اسی طرح تفسیر ازہری آپ کی اور علامہ عبد المصطفیٰ ازہری کی مشترکہ تفسیر ہو جائے گی۔ یہ کام ضرور فرمادیں۔ ان سے عرض کیا، تین اہم کتابیں فی الوقت زیرِ قلم و زیرِ تدوین ہیں، اس کے بعد یہ خدمت کرنے کے قابل ہو سکوں گا۔ اس کے بعد کئی تحائف عنایت فرمائے اور وہ کتابیں تو اکثر بھیجتے ہی رہتے تھے۔

حضرت علامہ قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمۃ نے متعدّد بار حج اور زیارت پاک روضۂ انور شافعِ محشر مالکِ کوثر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ وہ صدر ورلڈ اسلامک مشن پاکستان بھی تھے، انھوں نے کئی افریقی، یورپی، ایشیائی و مغربی ممالک کے دورے بھی کیے۔ وہ اگرچہ ہنگامی شخصیت کے مالک نہ تھے، مگر خاموشی اور مسلسل تندہی سے بہت سے اہم کام کر گئے۔ وہ اپنے اندازِ فکر اور منکسر المزاجی کے باعث اہلِ سنت کی تمام جماعتوں، تمام مدرسوں اور تمام سنی علما سے رابطہ میں رہتے تھے اور سب کی قرار واقعی خدمات دینیہ سے خوش رہتے تھے۔ ان کے پچاسوں اہم خطوط فقیر کے پاس محفوظ ہیں، یقیناً ان کی کمی محسوس ہوتی رہے گی۔ مولا تعالیٰ حضرت مرحوم کے درجات بلند فرمائے، حضور جانِ رحمت جانِ کرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دستِ کرم سے حوضِ کوثر نصیب فرمائے۔ آمین ☆☆☆

حضرت مولانا مفتی محمد حفیظ اللہ علیہ الرحمہ

نمونہ سلف حضرت مولانا الحاج مفتی حفیظ اللہ علیہ الرحمہ امجد نگر سماری ڈیہہ گھوسی ضلع مئو کے ایک متوسط اور معزز گھرانہ میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد گرامی حاجی امانت اللہ بڑے پاکیزہ اوصاف کے مالک پابند صوم وصلوۃ اور تہجد گذار تھے۔

مفتی حفیظ اللہ نے ابتدائی تعلیم والدین کریمین اور حاجی محمد شفیع صاحب سے حاصل کی۔ختم قرآن پاک کے بعد پرائمری اسکول بڑاگاؤں بعدہ مڈل اسکول گھوسی میں داخلہ لیا درجہ ہفتم کے بعد دارالعلوم اہل سنت مدرسہ شمس العلوم میں داخلہ لیا۔کافیہ تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد مشہور و معروف درس گاہ اہل سنت دارالعلوم اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور ضلع اعظم گڈھ میں داخلہ لیا اور وہیں سے ۱۰ر شوال ۱۳۷۵ہجری مطابق ۱۹۵۵میں سند فراغت حاصل کیا اس کے بعد مختلف مدارس میں درس و تدریس کی خدمات انجام دیں۔جس میں مدرسہ اسلامیہ قصبہ رچھابریلی ، مدرسہ تدریس الاسلام بسڈیلہ ، بستی،مدرسہ اسلامیہ پراناگورکھپور، مدرسہ ارشد العلوم آزاد نگر جمشید پور،رئیس ہائی اسکول بھیونڈی،دارالعلوم اشرفیہ احسن المدارس جدید رجبی روڈ نئی سڑک کانپور شامل ہیں۔

آپ ایک زبردست عالم دین کے ساتھ ساتھ ایک عمدہ شاعر اور مصنف تھے۔عربی زبان پر عبور کے ساتھ ساتھ فارسی،اردو اور انگریزی کی زبردست معلومات بھی تھی۔چنانچہ اس بات کی تصدیق آپ کے نعتیہ اشعار سے ہوتی ہے۔آپ کے اساتذہ میں ماسٹر ظہور احمد،مولانا نظام الدین،مولانا محمد سعید فتح پوری،مولانا سمیع اللہ امجدی، شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی،مولانا علی احمد،مولانا عبد المصطفی اعظمی، شیخ العلماء مولانا غلام جیلانی، حضور حافظ ملت عبد العزیز وغیرہ شامل ہیں۔آپ کے مشہور تلامذہ میں مولانا دریس بستوی، مولانا محمد اسلم بستوی، مولانا محمد اسمعیل، مولانا حسن محمد، مولانا انور علی، مولانا توکل حسینی، مولانا خلیق احمد اعظمی، مولانا مظفر الدین، مولانا شہاب الدین، مولانا حافظ طفیل احمد، حافظ محمد حنیف، حافظ جمیل اصغر، مولانا سراج الدین برکاتی، مولانا احمد رضا مولانا ڈاکٹر ملیح اصغر، ڈاکٹر کمال اصغر شامل ہیں۔

آپ نے حضرت الحاج شاہ نجیب حیدر میاں مارہرہ ضلع ایٹہ سے بیعت و خلافت حاصل کی۔۱۹۹۸ میں حج کیا۔آپ نے مضامین القرآن، حالات فقہائے حنفیہ، رسالہ راہ نجات، رسالہ ابن تیمیہ، مختصر سوانح اعلیٰ حضرت، خزینہ بخشش (مجموعہ نعت) جیسی کتابیں لکھیں۔

از: ڈاکٹر ملیح اصغر اعظمی امجد نگر گھوسی، مئو۔

(ص:۵۴ کا بقیہ)...دین کے مسلمان کا مذاق اڑایا، کتاب وسنت کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی۔اگرچہ جماعت صوفیہ کی اکثریت اس الزام سے بَری ہے۔"(ماہ نامہ اشرفیہ مارچ ۲۰۱۵ء، ص:۱۸)

کو پڑھ کر ایسا لگا کہ جناب مولانا ساجد رضا مصباحی نے شیخ عمر عبد اللہ الکامل کی شخصیت یا ان کی کتاب سے مرعوب ہو کر یہ جملے ضبطِ تحریر میں لائے ہوں۔اگر ان کی ان باتوں کی کوئی نظیر بھی ہو تو مجھ کم علم پر یہ احسان ہوگا۔

مکتوب کی طوالت کے پیشِ نظر بقیہ باتوں سے میں صَرفِ نظر کرتا ہوں لیکن آخر میں "مناقبِ حافظِ ملت علیہ الرحمہ" میں جناب تحسین عالم رضوی صاحب کے اس شعر؂

وہ مردِ حق پرست وہ تقویٰ کا بادشاہ
تختِ دل ونظر کا سلیماں ہے آج بھی

کو یوں ہونا مناسب معلوم ہوتا ہے؂

وہ مردِ حق پرست وہ تقویٰ کا بادشاہ
تخت دل و نظر کا فرماں روا ہے آج بھی

آخر میں عرض ہے کہ میری کوئی بات کسی صاحب کے دل پر شاق گزری ہو تو معاف فرمائیں اور مجھے آپ کی مجلسِ ادارت سے امید ہے کہ آئندہ شماروں میں کتابت وغیرہ کی غلطیاں نہیں ہونے پائیں گی۔اللہ تعالیٰ حافظِ ملت علیہ الرحمہ کے چمن کو سدا شاد وآباد رکھے۔آمین۔ والسلام

محمد یونس رضا قادری۔جالنہ، مہاراشٹر

صدائے بازگشت

حاشیہ جلالین کلاں کس سنّی عالم کا ہے

مکرمی.............سلام مسنون

بلاشبہ علمائے اہل سنت نے دینِ متین کی خوب خدمت کی ہے لیکن ان سب کے نام تاریخ میں نہیں ملتے خصوصاً علمائے پاک وہند۔ ان گمنام علما میں سے بعض وہ بھی ہیں جن کا نام قصداً چھپایا گیا، جی ہاں دین دشمن، بد مذہبوں کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ علمائے اہل سنت کی تحریرات وتصنیفات سے ان کے نام حذف کرکے نیزان میں حسب منشا تحریفات کرکے چھاپ رہے ہیں۔ اور خوب پیسا کما کر اپنا کاروبار چمکا رہے ہیں اور اس پر طرہ یہ کہ سنیوں کو جملے کستے ہیں کہ: درسیات میں تو سارا کام ہمارے پنڈتوں نے کیا ہے تم نے کیا کام کیا ہے؟

علمائے اہل سنت کی ایسی بہت سی تحریرات ہیں جن کے ساتھ ان بد مذہب تجارت کاروں نے یہی رویہ رکھا ہے کہ مصنف کا نام مٹا کر یا اپنے من گھڑت مصنف کی طرف منسوب کر کے چھاپ دی ہیں۔ فجزاهم الله بسوء فعلهم. ہم کوشش کریں گے کہ ایسی کتب کے بارے میں قارئین کو آگاہ کریں۔ لیکن اس مضمون میں ہم صرف حاشیہ جلالین کلاں کا تذکرہ کریں گے۔ یہ حاشیہ ایک سنی عالم کا لگایا ہوا ہے جن کا تذکرہ فتاوی رضویہ میں متعدّد جگہ موجود ہے[۱]۔ یہ عالم حضرت مولانا ارشاد حسین رام پوری[۲] رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۳۱۱ھ) کے شاگرد تھے جیسا کہ محشی نے حاشیہ میں جگہ جگہ اپنے استاد کے نام کی صراحت کی ہے ان مقامات میں سے بعض یہ ہیں۔

(۱) قال سیدی وشیخی إمام الأولیاء والأتقیاء مولانا محمد إرشاد حسین قدس سره، جلالین کلاں ص۸، حاشیه:۱۸

(۲) وهذا الجواب الأخیر سمعت أیضا عن أستاذی وسیدی مولوی محمد إرشاد حسین دام مجده، ص:۱۱۰،حاشیه:۸

(۳) وإن شئت تفصیله فتطالع انتصار الحق لسیدی وأستاذی، ص:۱۲۸،حاشیه:۹

اس کے علاوہ اور بھی عبارات ہیں لیکن ہم طوالت سے بچتے ہوئے انھیں ترک کر رہے ہیں۔ ان تمام عبارات سے اتنا تو علم ہوتا ہے کہ یہ حاشیہ مولانا ارشاد حسین رام پوری کے شاگردوں میں سے کسی کا ہے[۳]۔

اب رہا یہ امر کہ مولانا ارشاد حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شاگرد تو کثیر تھے، یہ حاشیہ کس کا ہو سکتا ہے؟ اس بات کی تفتیش کے لیے ہم نے مولانا موصوف کے کثیر شاگردوں کی سوانح کو کھنگالا تا کہ یہ معلوم کیا جاسکے کہ ان شاگردوں میں سے کس کس نے جلالین پر حواشی لگائے ہیں۔ بالآخر ہمیں مولانا ریاست علی خان صاحب شاہ جہان پوری[۴] رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۳۴۹ھ) کے بارے میں کتب میں یہ تذکرہ مل گیا کہ انھوں نے زلالین کے نام سے جلالین پر حواشی لگائے تھے[۵]۔ اس کے بعد ایک اور امر یہ تھا کہ جلالین کلاں پر جو حواشی موجود ہیں وہ مولانا ریاست علی خان صاحب ہی کے ہیں یا کسی اور کے؟

اس بات کی تفتیش کے لیے ہم نے جلالین کلاں نیز دیگر کتب کے کثیر صفحات چھان ڈالے لیکن کہیں بھی کوئی نشان تک نہ ملا، بالآخر ہمارا ذہن مکتبہ منشی نول کشور لکھنؤ سے مطبوع جلالین کی طرف گیا جو کہ ہم نے لیاقت لائبریری کراچی سے فوٹو کاپی کرا کے اپنے پاس محفوظ کر رکھی تھی۔

---

(۱)۔ فتاوی رضویہ کے حوالہ جات عنقریب آتے ہیں جن میں مولانا موصوف کا تذکرہ ہے۔

(۲)۔ آپ کی مشہور کتاب ارشاد الصرف اور انتصار الحق ہے (ارشاد الصرف عرصہ دراز سے مدارس میں پڑھائی جا رہی ہے اور اسے بد مذہب، مصنف کے نام کے بغیر چھاپ رہے ہیں)، فتاوی رضویہ اور ملفوظات میں آپ کا تذکرہ متعدّد جگہوں پر موجود ہے، کفل الفقیہ الفاہم کے آخر میں اعلی حضرت آپ کا تذکرہ یوں کرتے ہیں
ووافقنی علیه ناس من کبار علماء الهند، کالفاضل الکامل محمد ارشاد حسین الرامفوری رحمه الله تعالی وغیره، فتاوی رضویه مخرجه ج:۱۷، ص:۴۴۵

(۳)۔ جیسا کہ نظام الدین رضوی صاحب نے بھی اس کی صراحت کی ہے۔ مقدمه تفسیر جلالین مطبوعه مکتبه غوثیه کراچی

(۴)۔ آپ کا تذکرہ فتاوی رضویہ میں متعدّد جگہوں پر موجود ہے، اور کفل الفقیه الفاهم کے آخر میں آپ کی تصدیق موجود ہے۔ نیز فتاوی رضویہ میں بعض مقامات پر آپ کے استفتا بھی موجود ہیں۔ دیکھیے: فتاوی رضویه مخرجه ۱۲/۴۴۵، اور ۱۵/۱۳۴ اور ۱۷/۵۰۳

(۵)۔ نزهة الخواطر جلد۸، ص۱۶۹،۱۶۸، مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، تذکرہ محدث سورتی ص:۳۲۵، از خواجہ رضی حیدر، مطبوع سورتی اکیڈمی کراچی

جوں ہی ہم نے اس کا سرورق دیکھا تو اس پر مولانا ریاست علی خان صاحب کا نام دکھائی دیا نیز اس پر جلالین بھی جلی الفاظ میں لکھا تھا(۶)۔

اس مقام پر پہنچ کر ہمیں یہ شک لاحق ہوا کہ ممکن ہے کہ یہی حاشیہ، جلالین کلاں والوں نے اپنی شائع کردہ جلالین پر لگایا ہو اور ہمارا یہ شک اس وقت یقین میں بدل گیا جب ہم نے ہر دو جلالین کا تقابل کیا اور دونوں کے حواشی کو من وعن ایک جیسا پایا(۷) اور جلالین کے حواشی میں جہاں جہاں مولانا ریاست علی خان صاحب نے اپنے استاد مولانا ارشاد حسین رامپوری صاحب کا تذکرہ کیا تھا جلالین کلاں کے حواشی میں بھی اسی طرح مذکور پایا۔

مقامِ افسوس: راقم تو دین کا ادنی طالب علم ہے اس نے اپنے رفقائے کار کے ساتھ مل کر کچھ دن کی تحقیق سے اس بات کا سراغ لگا لیا کہ یہ سنیوں کا سرمایہ ہے لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ آج تک کسی بھی اہل علم نے اس حقیقت کا انکشاف نہیں کیا۔ اس تحقیق میں راقم کے ساتھ جن حضرات نے تعاون کیا ان میں محمد اسماعیل نقش بندی، زبیر احمد عطاری، محمد عرفان عطاری شامل ہیں۔

درخواست: آخر میں تمام سنیوں سے عرض ہے کہ اپنے بزرگوں کے علمی سرمایہ کی حفاظت کریں نہ جانے ایسی کتنی کتب ہوں گی جن میں تغیر وتبدل کر کے بدمذہبوں نیا پنے نام منسوب کرلی ہوں گی۔

فقط۔ افتخار احمد عطاری

فکر مودودی امت کے لیے مشکلات کا باعث * شیخ الازہر

مکرمی .... سلام مسنون

امام اکبر فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر احمد الطیب نے فرمایا: کہ حاکمیت کا غلط مفہوم شدت پسند تحریکوں کے وجود کے بنیادی پتھروں میں سے ایک ہے۔یہی وہ خارجی فکر ہے جس نے ان جماعتوں کو معاشرے کے خلاف ہتھیار اٹھانے پر آمادہ کیا۔

شیخ الازہر نے گزشتہ جمعہ مصر کے رسمی چینل پر گفتگو کے دوران فرمایا کہ جس فتنہ حاکمیت کو خارجیوں نے جنم دیا تھا وہ ان کے ساتھ ہی سو گیا تھا مگر جماعت اسلامی کے بانی ہندوستانی مفکر ابوالاعلیٰ مودودی نے اس فتنے کو دوبارہ زندہ کیا، انہوں نے اپنی ایک کتاب، قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں (الٰہ، رب، عبادت، دین) میں اس فکر کی تجدید اور احیا کرتے ہوئے کہا کہ ان چار اصطلاحوں پر ہی دین کی بنیاد قائم ہے اور انہوں نے الٰہ کی تعبیر حاکم سے، الوہیت کی حاکمیت سے، اور عبودیت کی تعبیر اللہ کے احکام کی اطاعت سے کی ہے اور مزید لکھا ہے کہ حکومت وسلطنت اللہ ہی کو زیبا ہے مخلوق کے لیے صرف اطاعت ہے اور جو شخص اس بات کا دعوا کرے کہ اسے حکومت کرنے یا انسانوں کے لیے قانون سازی کی آزادی ہے وہ کافر ہے، کیوں کہ وہ حاکمیت میں اللہ کا مقابل بننا چاہتا ہے جو صرف اللہ کے ساتھ خاص ہے، نیز جو کوئی اس شخص کی حکومت کو مانے یا اس کے بنائے قوانین پر عمل کرے وہ بھی مودودی صاحب کے نزدیک "مشرک" ہے کیوں کہ اس نے اللہ کے سوا دوسرے کو معبود مانا۔

اور شیخ الازہر نے مودودی کی اس فکر کا بھی ذکر کیا جس کا دعویٰ انہوں نے کیا ہے کہ ان چار اصطلاحوں کا یہ مفہوم ان کی ایجاد واختراع نہیں ہے، بلکہ نزول قرآن کے وقت مشرکین قریش ان کا یہی مفہوم سمجھتے تھے اور اسلام کو ایک یا دو صدی بھی نہیں گزری تھی کہ [یہ] مفہوم ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا اور کئی صدیوں تک اوجھل رہا یہاں تک کہ بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں اس کا صحیح مفہوم مودودی صاحب نے آکر واضح کیا اور پچھلی دس صدیوں کے مسلمانوں پر "گمراہیت" پر رہنے کا الزام بھی دیا۔

شیخ الازہر نے مودودی کے اس دعوا کی تردید نبی اکرم ﷺ کی حدیث سے کی جیسا کہ مروی ہے کہ: "میری امت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہوگی" اور فرمایا کہ مودودی صاحب اس حدیث کا انکار کیسے کر سکتے ہیں؟ اک اور حدیث ہے کہ "روز قیامت تک اس امت کی ہر نسل میں علمائے حق رہیں گے جنہیں نہ تو کسی مخالفت کا ڈر ہوگا نا ہی کسی ملامت کی پروا"۔ یہ احادیث اور اس قسم کی دیگر احادیث صحیحہ کا ذخیرہ "فکر مودودی" کے قصر کو ملیا میٹ کرنے کے لیے کافی ہے جو دس صدیوں کے مسلمانوں کی

---

(۶)۔اور اس کتاب پر حاشیہ کی ابتدا یوں ہوتی ہے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ الذی تفرد بجمالہ وتوحد بجلالہ والصلوۃ والسلام علی من اصفطی بکمالہ محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین أما بعد فیقول المعتصم باللہ القوی محمد ریاست علی حنفی کان اللہ لہ من کل خفی وجلی لما کان تفسیر....إلخ, لیکن افسوس کہ جلالین کی اس عبارت کو چھوڑ کر دیگر حواشی جلالین کلاں میں درج کردیئے گئے ہیں)

(۷)۔لیکن ان لوگوں نے اپنی خیانت کو چھپانے کے لیے جلالین کلاں میں بعض مقامات پر کچھ حواشی کا اضافہ کردیا، ممکن ہے وہ بھی حسب سابق کسی مظلوم مصنف کے رشحاتِ قلم ہوں۔

تضلیل پر قایم ہے۔

مزید فرمایا کہ: مودودی صاحب کا یہ دعویٰ قرآن مجید پر غیر صریح اور غیر واضح ہونے کا کھلا الزام ہے حالاں کہ خود اللہ رب العزت نے بہت سی آیتوں میں قرآن پاک کا وصف مبین یعنی واضح ہونا بیان فرمایا ہے؛ سورہ حجر آیت نمبر دس: ترجمہ: "یہ روشن کتاب قرآن کی آیتیں ہیں" تو جب اللہ نے فرمادیا کہ قرآن کے معانی واضح وبین ہیں تو مودودی صاحب اس نظریے کو کہاں سے لائے جو آیات کریمہ کے بالکل متضاد ہے، مودودی صاحب عالم تھے۔ ممکن ہے بعض مسائل میں ان کے رائے درست ہو مگر ان کے بعض افکار امت کے لیے کثیر مشکلات کا باعث بنے، اسی طرح انہوں نے پہلی دس صدیوں کی تفسیرات میں شک کیا ہے، حالاں کہ خود ان کی تفسیر کے اصح [صحیح] ہونے پر کوئی دلیل نہیں ایسے ہی انہوں نے کہا کہ "قرآن ہمیشہ ایک پہیلی اور غموض وابہام سے بھرپور رہے گا اور کوئی اس کی تفسیر نہیں کر سکے گا" ان کا یہ قول اسلامی اصول پر کھلاوار ہے۔

اس مسئلے پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے شیخ الازہر نے فرمایا کہ: "سید قطب" اپنے ہم عصر دوست ابوالاعلیٰ مودودی کے اس نظریہ سے دیوانگی کی حد تک متاثر ہوئے اور اس نظریہ کی رو سے انہوں نے کہا کہ حاکمیت صرف اللہ ہی کے لیے ہے کیوں کہ حاکمیت الوہیت کا دوسرا نام ہے، کسی انسان یا ادارہ یا تنظیم کو حق قانون سازی دینا اللہ کی حاکمیت کو چھوڑ کر انسانوں کو حاکم بنانا ہے اور سید قطب کے مطابق موجودہ تمام انسان اللہ کے عطا کردہ قانون کو چھوڑ کر انسان کے خود ساختہ قوانین پر عمل پیرا ہیں جو شریعت اسلامیہ کے بالکل خلاف ہے اس وجہ سے موجودہ معاشرہ "کافر و مشرک" اور "غیر اللہ" کی عبادت کرنے والا ہے، کیوں کہ عبادت کا مفہوم قطب صاحب کے نزدیک اللہ کی حاکمیت میں اس کی اطاعت کرنا ہے اور جب معاشرے نے اس کے سوا دوسرے کی اطاعت کی تو اس نے مخلوق کو اللہ کا ساجھے دار ٹھہرایا، اسی نظریہ کو بنیاد بناتے ہوئے سید قطب نے کہا کہ موجودہ معاشرہ جس میں امت اسلامیہ پنپ رہی ہے در اصل "زمانہ جاہلیت" کا معاشرہ ہے اور نہ صرف "زمانہ جاہلیت" کی طرح ہے بلکہ اس سے دوگنا جہالت کا حامل ہے کہ زمانہ جاہلیت میں صرف بتوں کی پرستش ہوتی تھی اور موجودہ مسلم معاشرے پر دساتیر اور "قانون ساز اداروں کا تسلط" ہے جو سید قطب کی نظر میں "اصنام" [بت] ہیں اور دوسرے ہزاروں قسم کے بت ہیں جن کی مسلمان پرستش کرتے ہیں، مزید برآں جو لوگ شریعت کی تطبیق کی بات کرتے ہیں ان سے تمسخر کرتے ہوئے سید قطب کہتے ہیں کہ یہ معاشرے مسلم تو ہیں نہیں کہ ان میں نظام شریعت لاگو کیا جاسکے، یہ تو کافر معاشرہ ہے جس پر کافر حاکموں کا راج ہے پہلے ان سب کو اسلام میں دوبارہ داخل کرو، "اسی نظریہ کو لے کر انہوں نے پہلے اسے جاہلی معاشرہ قرار دیا پھر اس معاشرے کو کافر کہا اور اس کے خلاف ہتھیار اٹھانے کو جائز قرار دیا" اور کہا کہ مسلمانوں کے لیے ولایت اور غیر مسلمین سے برایت کو اپنا وتیرہ بنانا چاہیے، ان کی اس تفریق نے (جو پورے مسلم معاشرے کی تکفیر اور اس سے نفرت کی طرف بلاتی ہے) اس فکر کے دلدادہ نوجوانوں کو اپنے آباواجداد سے متنفر کیا ان میں سے بعض نے اپنی نوکری چھوڑدی اور بعض نے اس سے علاحدگی اختیار کرلی کیوں کہ ان کا ماننا ہے کہ یہ پورا معاشرہ جاہلی ہے، حاکم جاہلی ہے۔

اخیر میں اپنی گفتگو کا اختتام کرتے ہوئے شیخ الازہر نے فرمایا کہ ""سید قطب کے ان افکار ونظریات کا دین سے کوئی واسطہ نہیں، لیکن افسوس کی بات ہے کہ بعض داعیان اسلام اس نظریہ کی تائید میں کھڑے نظر آتے ہیں۔" (بحوالہ جریدہ صوت الازہر، عدد شمارہ ۷۰۸ بتاریخ، ۱۳/مارچ ۲۰۱۵ء)

مترجم: شبیر حسین ازہری

مرسلہ: مولانا احمد رضا ازہری مالیگانوی، قاہرہ مصر

فیس بک اور وہاٹس ایپ کے مضامین اصلاحی پہلو لیے ہیں

مکرمی............................سلام مسنون

امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے۔ مارچ ۲۰۱۵ء کا ماہ نامہ اشرفیہ موصول ہوا۔ آپ کا اداریہ اور سراج الفقہا حضرت مفتی نظام الدین رضوی مد ظلہ کے شرعی جوابات بہت جان دار اور شان دار ہیں۔ ساتھ ہی فیس بک اور وہاٹس ایپ کا استعمال کے تحت مضامین بھی کافی معلوماتی اور اصلاحی پہلو لیے ہوئے ہیں۔

رسالہ کے ٹائٹل پیج پر اقوال حافظ ملت علیہ الرحمۃ پڑھتے وقت ایک جگہ میری نظر ٹھہر گئی۔ قول نمبر (۳) کے تحت "جس کی نظر مقصد پر ہوگی، کامیابی اس کے قدم چومے گی۔" ہونا چاہیے تھا، جس میں "پر" کی جگہ "ہر" شائع ہو گیا ہے۔ جب مولانا ساجد رضا مصباحی کا مضمون "التصوف بین الافراط والتفریط ایک تحقیقی مطالعہ" کو پڑھا تو اس عبارت: " در اصل خود حاملین تصوف اپنے نظریات و معتقدات میں افراط و تفریط کے شکار رہے۔ بعض صوفیہ نے تصوف کے نام پر............... (باقی ص:۵۱ پر)

خیر و خبر

دہلی میں حافظ ملت کانفرنس ونعت کمپٹیشن

حضور حافظ ملت قدس سرہ ماضی قریب کے عظیم مفکر اسلام گذرے ہیں۔ دین کی فکر، قوم کا درد اور ملت کی زبوں حالی کا غم آپ کے رگوں میں پیوست تھا۔ یہی توو جہ ہے کہ جب آپ کے استاذ گرامی نے آپ کو خدمت دین کے لیے مبارک پور بھیجا تو آپ نے جواباً کہا تھا کہ مجھے ملازمت نہیں کرنی۔ اس سے آپ کے اندر موجود دینی درد صاف جھلکتا ہے۔ آپ نے ” ہر مخالفت کا جواب کام ہے “ فرماکر تعمیری ذہن رکھنے والوں کی بڑے اچھوتے انداز میں حوصلہ افزائی کی ہے۔ اسلام کو آپ نے ” الجامعۃ الاشرفیہ “ کے روپ میں جو عظیم یونیورسٹی دی ہے اور اس کے ذریعے جو افراد پیدا کیے ہیں اسے قوم رہتی دنیا تک فراموش نہیں کرسکتی۔ آپ کے چالیسویں عرس سراپاقدس کے موقع پر اس عظیم الشان کانفرنس کا انعقاد ہماری اور آپ کی مشترکہ خوش بختی و سعادت مندی ہے۔ مذکورہ خیالات کا اظہار منیری فاؤنڈیشن کے بانی و صدر مولانا ناصر منیری صاحب نے فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام ۲۸/ مارچ ۲۰۱۴ء کو سرزمین تغلق آباد (نئی دہلی) میں منعقدہ عظیم الشان حافظ ملت کانفرنس و نعت کمپٹیشن“ میں کیا۔ جس میں مقامی عوام کے علاوہ بیرونی علما و فضلا نے بھی شرکت کی۔ جلسے کی سرپرستی فاؤنڈیشن کے سرپرست اعلیٰ صوفی ملت حضرت کمال الدین منیری دام ظلہ العالی نے فرمائی اور صدارت کے فرائض فاؤنڈیشن کے بانی و صدر مولانا ناصر منیری حفظہ اللہ القوی نے انجام دیے۔ بعد نماز عشا جلسے کا آغاز تلاوت کلام باری تعالیٰ سے ہوا، بعدہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں نعتیہ اشعار پیش کیے گئے۔ اس کے بعد نعت کمپٹیشن کا آغاز ہوا۔ اس کمپٹیشن میں کل چار ٹیموں نے حصہ لیا۔ (۱) مکہ ٹیم (۲) مدینہ ٹیم (۳) اقصیٰ ٹیم (۴) بطحا ٹیم۔ ہر ٹیم میں تین تین امیدوار رکھے گئے تھے۔ اول پوزیشن مکہ ٹیم نے حاصل کی، جب کہ دوم پوزیشن مدینہ ٹیم کے حصے میں آئی، سوم پوزیشن حاصل کرنے والی بطحا ٹیم ہے اور چہارم پوزیشن کا انعام اقصیٰ ٹیم کی قسمت میں آیا۔ کمپٹیشن کے بعد پروگرام کا باقاعدہ آغاز ہوا اور مولانا امتیاز مصباحی (فرید آباد، ہریانہ) کا بہترین خطاب ہوا۔ نعت خوان رسول عبد الحمید دہلوی نے منظوم خراج عقیدت پیش کیے۔ اس کے بعد مولانا محمد کامل رضا مصباحی (کٹیہار، بہار) کا بیان ہوا۔ مولانا سیف الاسلام نے فارسی زبان میں اور تبسم انصاری نے انگریزی زبان میں مولانا ناصر منیری کا لکھا ہوا کلام بڑے اچھوتے انداز میں پیش کیا۔ اس کے بعد مولانا حیدر القادری کا خطاب ہوا۔ بعدہ نعت شریف کے لیے ترنم انصاری کو مدعو کیا گیا۔ اخیر میں خطبۂ صدارت مولانا ناصر منیری بانی و صدر منیری فاؤنڈیشن نے پیش کیا۔ اور جلسے کا اختتام صلاۃ و سلام اور سرپرست جلسہ حضرت کمال الدین منیری کی دعا پر ہوا۔

از: میڈیا انچارج منیری فاؤنڈیشن منیر شریف، پٹنہ (بہار)

عرس ملک العلما میں علمائے کرام کے خطبات

شہر عظیم آباد پٹنہ کی درس گاہ الجامعۃ الرضویہ میں آج حضور ملک العلماء مولانا سید محمد ظفر الدین محدث بہاری کا عرس پاک نہایت تزک و احتشام کے ساتھ منایا گیا اس میں مدرسین وطلبہ کے علاوہ عقیدت مندوں نے کثیر تعداد میں شرکت فرمائی۔ نماز فجر کے بعد سے جامعہ میں قرآن خوانی ہوئی اور ۷:۳۰/ بجے صبح سے جشن عرس پاک کا آغاز قرآن پاک کی مقدس آیات سے ہوا، مولانا عبد الرزاق پیکر رضوی نے حضور ملک العلما کی شہر آفاق تصنیف ”صحیح البہاری“ اور ”حیات اعلیٰ حضرت“ کی تاریخی وعلمی محاسن بیان کرنے کے ساتھ ساتھ علم توقیت میں ان کی عالمی فتوحات کا تذکرہ بھی بالتفصیل کیا۔ مولانا محمد ممتاز عالم ریسرچ اسکالر جامعہ ملیہ دہلی نے احیاء العلوم کی روشنی میں استاذ و شاگرد کے پاکیزہ رشتوں کو موضوع سخن بناتے ہوئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی اور حضور ملک العلما کے درمیان نمو پانے والے علمی و روحانی رشتوں پر گفتگو فرمائی۔ مولانا محمد قمر الزماں مصباحی نے حضور ملک العلما کے تبحر علمی کا تذکرہ کیا۔ جشن عرس پاک کا اختتام صلوٰۃ وسلام اور تقسیم تبرکات پر ہوا۔

جلسہ سنگ بنیاد دار العلوم حافظ ملت

۱۳/ اپریل ۲۰۱۵ء کو دار العلوم حافظ ملت تاج نگر پھلواری شریف کے سن بنیاد کے موقع پر ایک عظیم الشان جلسہ بنام عظمت صحابہ کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔ جس میں ہندوستان کے نام ور علما، خطبا اور شعرا کی تشریف آوری ہوئی۔ باعث مسرت بات یہ رہی کہ

عالمی شہرت یافتہ ادارہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے سربراہ اعلیٰ عزیز ملت حضرت علامہ حضور عبد الحفیظ صاحب کے دست مبارک سے ہزاروں عوام سیکڑوں علماے کرام کی موجودگی میں دار العلوم کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اس موقع پر بعدِ سنگ بنیاد عزیز ملت نے ادارہ کی ترقی کے لیے خاص دعا فرمائی۔ اس جلسہ میں قرب وجوار سے بڑی تعداد میں لوگ شریک ہوئے۔ مولانا دلشاد بنارسی اور اختر پرواز جیبی، حافظ اکرام پھلواری کی نعت وتقریر سے سامعین بڑے متاثر ہوئے۔ دار العلوم حافظِ ملت کے اراکین وممبران خاص کر دار العلوم کے مہتمم قاری غفران قادری کی جدوجہد اور محنت کی بدولت رات کے آخری حصہ میں درود وسلام ودعا کے ساتھ یہ جلسہ اختتام پذیر ہوا۔

از: دار العلوم حافظ ملت، کربلا روڈ پھلواری شریف، پٹنہ

مالیگاؤں میں سنی دعوتِ اسلامی کا دو روزہ اجتماع

مورخہ ۱۷/ اپریل بروز جمعہ ۲۰۱۵ء:

آج مسلمانوں کی فکری صلاحیت دم توڑ چکی ہے۔ مغرب کی فکری غلامی نے تمام صلاحیتوں کو مفلوج کر دیا ہے۔ الکٹرانک میڈیا، پرنٹ میڈیا اور سوشل میڈیا کے ذریعے جو بھی پیغام مسلمانوں تک پہنچتا ہے، مسلمانوں کی اکثریت اسے من وعن قبول کرلیتی ہے۔ جب کہ قرآن مقدس میں فاسق کی خبر کی تحقیق کا حکم موجود ہے۔ اسلام مایوسی کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ اسلامی تعلیمات میں امید کا پیغام ہے۔ قوم کو زوال اس وقت آتا ہے جب اس کی سوچ وفکر ختم ہو جاتی ہے۔ ان فکری کلمات کا اظہار مہمان خانۂ کعبہ داعی کبیر حضرت مولانا محمد شاکر علی نوری صاحب (امیر سنّی دعوت اسلامی) نے مالیگاؤں کی سرزمین پر منعقدہ دو روزہ سنّی اجتماع کے اختتامی خطاب میں کیا۔ امت مسلمہ کو پیغام دیتے ہوئے مولانا شاکر علی نوری نے سرمایہ داروں اور بااثر شخصیات سے کہا کہ فکرِ اسلامی کو اختیار کرتے ہوئے جامعات، ہاسپٹل اور فلاحی ادارے قائم کریں، جن کے ذریعے امت مسلمہ کا زوال عروج میں تبدیل ہو سکتا ہے۔

دو روزہ اجتماع کے دوسرے دن کا آغاز دعا سے ہوا، تلاوت قرآن کے بعد سنّی دعوت اسلامی کے مبلغین کے خطابات ہوئے، عاشقان رسول ﷺ کے جم غفیر نے نعت خواں قاری رضوان (پرنسپل ہاشمیہ کالج ممبئی) کی امامت میں نماز جمعہ ادا فرمائی۔ نماز جمعہ کے بعد محقق مسائل جدیدہ مفتی محمد نظام الدین رضوی (صدر شعبہ افتا جامعہ اشرفیہ مبارکپور) کے کھلے سوال وجواب کا سیشن ہوا۔ مفتی صاحب نے سامعین کے ذریعے پوچھے گئے سوالات کے اطمینان بخش جوابات عنایت فرمائے۔ اعضا کی تبدیلی کے حوالے سے شرعی حکم بیان کرتے ہوئے مفتی صاحب نے فرمایا کہ آنکھ، کان، کِڈنی اور دل وغیرہ اعضائے انسانی کا عطیہ کرنا حرام ہے، اس لیے کہ مومنین کے جان ومال اللہ پاک کی امانت ہے۔ کسی کی جان بچانے کے لیے بلا تفریق مذہب خون کے عطیہ کی اجازت شریعت میں موجود ہے۔ بعض لوگ اپنی بات منوانے کے لیے خودکشی کی دھمکی دیتے ہے اس تعلق سے مفتی صاحب نے فرمایا کہ خودکشی کی دھمکی دینا ناجائز وگناہ ہے، حرام کاموں سے حاصل محنتانے کا حکم بیان کرتے ہوئے مفتی موصوف نے کہا کہ حرام کام کی اُجرت بھی حرام ہے۔ دورِ حاضر میں تنگ وچست کا لباس کا رجحان عام ہو رہا ہے، اس ضمن میں مفتی نظام الدین رضوی نے فرمایا کہ ایسے لباس پہننا اور سِلنا جس سے بے ستری ہو، شرعاً جائز نہیں ہے۔ غرضیکہ مفتی موصوف نے بہت سے اہم موضوعات پر پوچھے گئے سوالات کے شرعی جوابات دیئے۔

نماز عصر کے بعد مالیگاؤں کے مقامی نگراں مولانا سید محمد امین القادری نے "فکر امت اور غم گسار امت" جیسے اہم موضوع پر خطاب فرمایا۔

اجتماع میں مالیگاؤں اور مضافاتی شہروں سے لاکھوں کی تعداد میں شمع رسالت کے پروانوں نے شرکت کی۔ دن بھر شہر کی مصروف ترین شاہراہ آگرہ روڈ پر اجتماع گاہ میں آنے جانے والوں کا مسلسل تانتا بندھا رہا۔ اجتماع کے پیش نظر درے گائوں کی طرف سے آنے والی تمام گاڑیوں کے رُخ بھی موڑے گئے۔ اجتماع میں کہیں بھی کسی بھی قسم کے ناخوش گوار واقعے کی اطلاع نہ ملی۔ شہر کی مختلف تنظیموں اور اداروں نے سنّی دعوت اسلامی مالیگائوں کے ساتھ فراخ دلانہ تعاون کرتے ہوئے اجتماع کے انتظامات کو مبلغین کے شانہ بشانہ بحسن وخوبی انجام دیا۔ حضرت مولانا علامہ محمد شاکر علی نوری کی رقت انگیز دعا اور صلوٰۃ وسلام پر اجتماع کا اختتام ہوا۔

عطاء الرحمن نوری، مالیگاؤں

☆☆☆☆